دار العلوم ندوۃ العلماء
شعبۂ تعمیر و ترقی

تعمیر حیات

پندرہ روزہ

لکھنؤ

۱۸ جمادی الاول ۱۳۸۴ھ مطابق ۲۵ ستمبر ۱۹۶۴ء

مدیر: سید محمد الحسنی
معاون: سعید الاعظمی ندوی

فی کاپی (۲۵) پیسے

Phone 23918

Regd No

TAMEER-E-HAYAT

DARULULOOM, NADWATULULAMA LUCKNOW (INDIA)

دار العلوم ندوۃ العلماء کا تیار کردہ نصاب

قصص النبیین للاطفال ۴ حصے

از: مولانا ابوالحسن علی ندوی

اس کتاب میں ایک طرف زبان کی تعلیم کے جدید اصول اور ماہرین تعلیم و نفسیات کے تجربات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ یہ کتاب عربی زبان کی تعلیم کا بہترین اور سہل ترین ذریعہ بنی ہے، دوسری طرف انبیاء علیہم السلام کے واقعات اور قصوں کو اس پیرایہ اسلوب میں پیش کیا گیا ہے کہ اسلام کے بنیادی اصول خود بخود طلبا کے ذہن نشین ہوتے چلے جاتے ہیں، اس سلسلہ کو ممالک عربیہ میں بڑی قدر کی نگاہوں سے دیکھا گیا ہے!

قیمت حصہ اول ۵۵/- ، حصہ دوم ۷۵/- حصہ سوم ۷۵/۱

القراءۃ الراشدۃ ۳ حصے

از: مولانا ابوالحسن علی ندوی

اس کتاب میں اسلامی تاریخ، نامور اسلامی شخصیتوں، ہندوستان کی اسلامی تاریخ اور اسکی نامور شخصیتوں کے متعلق اسباق، اسلام اور ہندوستان کی تاریخ کا خلاصہ، مشہور دینی درسگاہوں کا تعارف، معلومات عامہ اور ضروری مضامین آگئے ہیں، اسکی کوشش کی گئی ہے کہ کوئی سبق دینی روح سے خالی نہ ہو اور وہ کسی اچھے تجربہ یا حقیقت کی طرف رہبری کرتا ہو، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے اس کو داخل نصاب کیا ہے۔

قیمت حصہ اول ۱۲/ حصہ دوم ۱۲/ حصہ سوم ۱۲/

منثورات

از: مولانا محمد رابع ندوی

اس کتاب میں مصنف نے ان جاندار ٹکڑوں کا انتخاب کیا ہے جو زبان کے محاسن اور کلام کی بلاغت کیساتھ دینی و اخلاقی تربیت کا کام بھی دے سکتے ہیں اور اسلامی جذبات پیدا کرنے میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں، سیرت نبوی، تاریخ اسلام اور مستند و صاحب طرز انشاء پردازوں کی نثر کے نمونے پیش کئے گئے ہیں جو عربی زبان و ادب کی بہترین نمائندگی کرتے ہیں نثر قدیم کے ساتھ نثر جدید اور نظم قدیم بھی شامل ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد نے داخل نصاب کیا ہے۔

قیمت ۳/

مختارات ۲ حصے

از: مولانا ابوالحسن علی ندوی

یہ کتاب عربی کی متوسط اور اعلیٰ دونوں جماعتوں کے نصاب میں داخل کرنے کے لائق ہے اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اس وقت تک ادب عربی کی کوئی کتاب اس کا بدل نہیں بلکہ یہ دوسری کتابوں کا نعم البدل ہے، مدارس عربیہ کی بڑی تعداد کے علاوہ لکھنؤ، علیگڈھ، کلکتہ، پنجاب اور مدراس یونیورسٹیوں اور بہت سے کالجوں میں داخل نصاب ہے، شام کے کالجوں میں بھی داخل نصاب ہے۔

قیمت حصہ اول ۱۲/ حصہ دوم ۱۲/

ESTD. 1903

قدرتی تیل

جوڑوں کے درد، زخم، چوٹ، موچ، کٹنے، جلنے میں مفید ہے

کارخانہ دار الصحت مئوناتھ بھنجن یوپی

نورانی تیل

درد، زخم، چوٹ، ورم کی بہترین دوا

پندرہ روزہ
تعمیر حیات لکھنؤ
شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد ۱۲
نمبر ۲۲

سالانہ
۵/- روپے
فی پرچہ
۲۵ پیسے

۲۵ ستمبر ۱۹۶۴ء مطابق ۱۸ جمادی الاول ۱۳۸۴ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دوست کشی اور دشمن نوازی

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت　　سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

محمد الحسنی

ذیل میں "البعث الاسلامی" کے تازہ شمارہ کا اداریہ شائع کیا جا رہا ہے۔ جس میں قبرص کے مسئلہ پر عربوں کے ضمیر کو بیدار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ عربی سے اسکے ترجمہ کیلئے ہم سید ضیاء الحسن ندوی کے شکرگزار ہیں"

ایک ایسی حکومت سے جو عالم عرب کی سربراہ سمجھی جاتی ہے اور جسے آزادی و خود مختاری کی ہر جد و جہد کی حمایت کا دعویٰ ہے۔ ہمیں یہ توقع نہیں تھی کہ وہ بے حمیتی اور بے شرمی کی اس سطح تک گر جائے گی، جہاں حق کی مخالفت، باطل کی حمایت اور کھلم کھلا جارحیت کے ساتھ تعاون کرنے میں اسے ذرا بھی تکلف نہ ہوگا، بلکہ انسانیت و شرافت کے ادنیٰ معیار سے بھی نیچے گر کر کمال بے حیائی کے ساتھ وہ حقیقت پر پردہ ڈالنے کی مذموم کوشش کرے گی۔

مشہور ہے کہ حق کی علانیہ تائید کے بجائے اس پر خاموش رہنے والا گونگا شیطان ہے، لیکن ایسے شخص کو کیا کہا جائے جو حق کے احترام کے بجائے علانیہ اس کی مخالفت کرتا ہو، باطل کی حمایت کرے اور اس سے پینگ بڑھائے، اسے آپ کس نام سے پکاریں گے جو اس کو اپنا شعار اور سرکاری پالیسی بنائے، اور اپنے تمام سیاسی، معاشی اور سماجی کاموں میں اسے ایک بنیادی اصول کی حیثیت سے اپنائے۔

ایسے شخص کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے جو ہیل سلاسی، ٹیٹو، خروشچیف اور مکاریوس غرض ان تمام لوگوں کے ساتھ دوستی و تعاون کے معاہدے کرتا پھرے جنھوں نے مسلمانوں کی ایذا رسانی اور ان کے قتل عام میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے، حالانکہ ان میں سے بعض کے ملک میں خود ان کے سامنے ہزاروں لاکھوں بے گناہ مسلمان موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے اور یہ سب دیکھتے اور سنتے رہے، انھوں نے دہشت پسندوں کو بے لگام چھوڑ دیا تھا کہ وہ لوگوں کی جان و مال اور ان کی عزت و آبرو سے کھیلتے پھریں، اس کے لئے انھیں ایسی چھوٹ دے دی گئی تھی جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔

ہمیں یہ کہنے میں ذرا بھی تکلف نہیں ہے اور حق میں کاہے کا تکلف؟ کہ اس انتہائی ذلیل حرکت کا ارتکاب کرنے والے، خواہ وہ کوئی فرد ہو، جماعت ہو یا کوئی حکومت و سلطنت ہو، بہرحال اپنے کیفر کردار کو پہنچ کر رہیں گے۔

قبرص کا المیہ بہت سنگین ہے، بدی کی کھلم کھلا حمایت کرنے اور حق کی آواز کو دبانے کی وجہ سے اس کی سنگینی پچھلے تمام حادثات سے بڑھ گئی ہے، اس نے ثابت کر دیا کہ گندگی کے ڈول سے گندگی ہی اچھلتی ہے، اس نے ایک بے نور، بدنما اور سیاہ چہرے کو بے نقاب کر دیا ہے، جسے ابھی تک لوگ ٹھیک سے دیکھ نہیں سکے تھے، اس کے بارے میں ان کی معلومات ناقص تھیں، لوگ اس سے حسن ظن رکھتے تھے اور اس کی زیادہ سے زیادہ مدح و ستائش ہی سے لوگوں کے کان آشنا تھے،

قبرص کا المیہ ایک ایسی کسوٹی ہے جس پر کھرے اور کھوٹے کی جانچ کی جا سکتی ہے، جس پر پرکھ کر سچ کو جھوٹ سے اور نیکی کو بدی سے ممتاز کیا جا سکتا ہے، اپنی حکومت کے بل پر ایک اکثریت ایک ایسی مسلم اقلیت پر عرصۂ حیات تنگ کرتی ہے، اس پر ظلم و ستم کا پہاڑ توڑتی ہے، جس کا مطالبہ اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ وہ اپنے لئے زندگی کا حق چاہتی ہے اس کے لئے قتل عام کے منصوبے بنائے جاتے ہیں، اس کے وسائل زندگی پر ڈاکے ڈالے جاتے ہیں، یہاں تک کہ سانس لینا بھی دشوار کر دیا جاتا ہے، تب ایک مسلم حکومت جس کا اس اقلیت سے مذہب، عقیدہ اور اس سے آگے بڑھ کر انسانیت کا رشتہ ہے۔ اس سرکش اور ظالم حکومت کو ظالمانہ کارروائیوں سے باز رکھنے کے لئے اس پر حملہ کرتی ہے، اس کے اسلحہ کے ذخیرے تباہ کر دیتی ہے، جو جارحانہ منصوبوں کو بروئے کار لانے کے لئے محفوظ کئے گئے تھے، تاکہ مکاریوس اور اس کی جرائم پیشہ ٹولی اپنے ناپاک عزائم کو عملی جامہ نہ پہنا سکے، اور ظالم و مظلوم کے

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام
ندوۃ العلماء　　ذرائع تعاون　　لکھنؤ

- سب سے بڑا تعاون مجلس کی مطبوعات و لیٹریچر کو صحیح جگہوں پر پہنچانا اور ان کی اشاعت
- مجلس کے کاموں کیلئے مستقل عطیے، مثلاً:

(الف) رکنیت دوامی (لائف ممبری) جو صاحب پانچسو روپئے عنایت فرمائیں گے وہ مجلس کے لائف ممبر شمار ہونگے، لائف ممبر کو مجلس کی مطبوعات ہمیشہ بلا قیمت فراہم کی جائیں گی ۰

(ب) ہمدرد، جو حضرات دو سو روپئے عنایت فرمائیں گے وہ مجلس کے ہمدرد شمار ہونگے مجلس، ہمدرد کو پانچسال تک اپنی مطبوعات بلا قیمت پیش کریگی ۰

(ج) معاون، جو حضرات پچیس روپئے عنایت فرمائینگے وہ مجلس کے معاون شمار ہونگے مجلس انھیں اپنی اولین کتاب "مقالات سیرت" بلا قیمت، اور بقیہ تمام مطبوعات رعایتی قیمت سے فراہم کرے گی ۰

اس کے علاوہ غیر مستقل عطیے اور مفید مشورے اس اہم کام کی ترقی و تقویت اور کارکنان مجلس کی ہمت افزائی کا باعث ہوں گے ۰

• آج ہی رکنیت کا فارم پُر کر کے اپنی علم دوستی •
• اور اسلام نوازی کا ثبوت دیجئے ____ •

درمیان انصاف کی ایک دیوار حائل ہو جائے۔

ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسی پالیسی ہے جس کی تائید میں کسی کو جھجک نہ ہونی چاہئے۔ سوا اس کے جس کے دل میں چور ہو یا جس کے سینہ میں دل ہی نہ ہو ـــ اقوام متحدہ کی امن فوج کے ہندوستانی کمانڈر جنرل تھیمایانے قبرص کے متاثرہ علاقوں کا دورہ کرنے کے بعد اعتراف کیا ہے کہ "ترک اقلیت خطرہ میں ہے اگر تشدد کی یہی صورت حال قائم رہی تو وہ زیادہ دنوں تک اپنی جان و مال کی حفاظت نہ کر سکے گی۔

اب ذرا سب سے بڑی عرب حکومت کے سربراہ کی روش ملاحظہ ہو جیسا کہ اخباروں سے معلوم ہوا ہے اس نے اپنے گہرے دوست مکاریوس کے نام ایک خط میں اپنی پوری مدد کا یقین دلایا ہے، ہتھیاروں اور رضا کاروں کے ذریعہ اس کی مدد کا اعلان کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ اس معاملہ میں ترکی کی مداخلت بہادر قبرصی عوام کے خلاف ایک جارحانہ حرکت ہے۔ اس کے علاوہ وہاں کے سرکاری اخبارات نے اس مسئلہ میں پاکستان کو بھی اپنی پالیسی بدل کر مکاریوس کا ساتھ دینے کا مشورہ دیا ہے۔

ہمیں اس جیسی حکومت (موجودہ مصری حکومت) سے یہ توقع تو نہیں تھی کہ وہ اخوت اسلامی، پیغام محمدی اور مذہب عقیدہ اور روح جیسے قوی تر رشتوں کا کوئی خاص لحاظ کریگی تاہم یہ امید ضرور رکھتی کہ وہ اس شرمناک پالیسی اور اس اوچھے انداز فکر سے کچھ بلند بہر حال رہے گی، یہ امید رکھتی کہ وہ اتنے واضح حق کا اتنی ڈھٹائی سے انکار کرنے کی جسارت نہ کرے گی اور ظاہر داری ہی کی خاطر۔ کم از کم اپنا عیب چھپانے کی کوشش کرے گی۔ دنیا کو دکھانے ہی کے لئے۔ کم از کم ایک شریفانہ رویہ کا مظاہرہ کرے گی، ہمارے ذہن کے کسی گوشہ میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ وہ بلا جھجک اور اتنی بے شرمی کے ساتھ باآواز بلند اپنی اخلاقی پستی کا اعلان کر سکتی ہے ہمیں امید تھی کہ ایک شریف صاحب ضمیر انسان کی طرح وہ بھی حق کا ساتھ دے گی، ایسا حق جسے ساری دنیا تسلیم کر چکی ہے، فوجی اور غیر فوجی وفود اور خبر ایجنسیوں کے نمائندے بچشم خود اس کا مشاہدہ کر چکے ہیں، اور سارے عالم کو اس سے آگاہ کر چکے ہیں۔

کیا عرب قومیت کا یہی مفہوم ہے، وہ عرب قومیت جو اس زمانہ کا نہ صرف ایک مکروہ ترین نعرہ ہے بلکہ عربوں کے حق میں حد سے زیادہ نقصان دہ بھی ہے، کیا مثبت غیر جانبداری سوشلزم، آزادی اور اتحاد اور خود مختاری کے یہی معنی ہیں؟

کیا اسی دن کے لئے یہ بے مثال "مقدس" "عظیم اور لافانی انقلاب" برپا کیا گیا تھا؟ کیا اسماعیلیہ اور پورٹ سعید کے شہیدوں نے اسی لئے اپنی جانوں کی قربانی دی تھی۔ اور کیا اسی دن کے لئے ان بے گناہ سورماؤں نے اپنے خون سے ارض فلسطین کو "لالہ زار" کیا تھا؟ ...... یا یہ ان شہیدوں کے خون کی لعنت ہے جنہیں احکام خداوندی کی تعمیل کے جرم میں پھانسی پر لٹکا دیا گیا تھا؟ یاد رہے کہ ان شہیدوں میں سے ایک "عبدالقادر عودہ الشہید" نے تختۂ دار پر چڑھتے ہوئے کہا تھا "میرا خون اس نظام کے لئے لعنت ثابت ہو گا۔"

کیا اس لعنت سے بڑھ کر بھی کوئی لعنت ہو سکتی ہے، اور کیا اس کے بعد بھی گمراہی کا کوئی درجہ باقی رہ جاتا ہے؟

اے عالم عرب کے لیڈر! (مصر) مشرق و مغرب کے مسلمانوں کے دلوں میں تیری ایک قابل احترام اور محبوب حیثیت ہے، تجھے بجا طور پر دنیائے عرب کی قیادت کا شرف حاصل ہے، تو اپنے معمور علمی مرکزوں، اپنی زمین سے ابھرنے والی جلیل القدر ہستیوں، اپنے خوددار و بیدار مغز نوجوانوں اور یقین محکم سے مالا مال عظیم فرزندوں کے طفیل آج بھی اپنے ہمسایوں سے برتر اور ممتاز ہے، اسلام کی محبت آج بھی تیرے عوام کے دلوں میں جاگزیں ہے، "اللہ اکبر" اور "الموت فی سبیل اللہ اسمیٰ امانینا"[1] کا نعرہ آج بھی ان کے دلوں میں گرمی پیدا کر دیتا ہے، ان کی رگوں میں زندگی کی لہر دوڑا دیتا ہے، سرزمین مصر میں اب بھی قیمتی ذخیرے پوشیدہ ہیں، ضرورت ہے کہ ان کو ملت اسلامیہ بلکہ ساری انسانیت کے مفاد کے لئے استعمال کیا جائے۔

مصر! تیرے بس میں تو یہ بھی تھا کہ تو سارے عالم کی زمام قیادت اپنے ہاتھ میں لے لیتا، اقوام و ملل کی رہنمائی کرتا، خدا کی زمین پر اس کی نیابت کا فریضہ انجام دیتا، اور اپنی شاندار تاریخ کو پوری دلفریبیوں اور رعنائیوں کے ساتھ دہراتا اور اس طرح ساری انسانیت پر اور قابل رحم دلگرفتہ راہ یورپ پر تیرا ایک ایسا احسان ہوتا جسے تاریخ کبھی فراموش نہ کر سکتی۔

تیرے لئے ممکن تھا کہ تو ماضی کی صالح روایات، حال کی منفعت بخش ترقیوں، غیر متزلزل ایمان اور وسیع تر علوم و فنون کا ایک حسین امتزاج پیش کرتا، نہ صرف یہ بلکہ مادی اور روحانی طاقتوں، انسانی صلاحیتوں، اللہ کی طرف دعوت، طاقتور وسائل حیات سے استفادہ اور قلب و روح کی تعمیر اور آتش و آہن کی صنعت میں ہم آہنگی پیدا کرتا، کہ یہ وقت کی سب سے اہم ضرورت اور عصر حاضر کا سب سے اہم اور فوری مطالبہ ہے۔ یہ ہماری جدید تاریخ کا سب سے اہم خلا ہے، جسے بلا ادنیٰ تاخیر کے پُر کیا جانا چاہیئے۔

لیکن صد حیف، اپنی بے سلیقہ، غیر متوازن، غیر منطقی غیر فطری اور کج رو سیاست کی وجہ سے جو بیک وقت افسوسناک بھی ہے اور مضحکہ خیز بھی ہے تو نے ہماری تمام آرزوؤں کو خاک میں ملا دیا، اس پر ستم یہ کہ برابر اس خوش فہمی کا شکار بھی رہا کہ تجھے ساری دنیا کی دوستی حاصل ہو رہی ہے، تو نے ذرا بھی یہ نہ سوچا کہ جس نے اپنے بھائیوں کے ساتھ تعاون نہ کیا اور ان کی مدد سے باز رہا۔ دنیا میں کوئی اس کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ اس لئے کہ جس نے خود اپنے پیروں پر کلہاڑی ماری ہو اور اپنی بنیادوں کو کمزور کرنے کی کوشش کی ہو تو دوسروں کی کوئی مدد، عوام کی کوئی دوستی اور طاقت کا کوئی انجکشن اس کے کام نہیں آ سکتا۔

خوب سمجھ لینا چاہیئے کہ جسے اپنوں میں رسوائی کا منہ دیکھنا پڑے، غیروں میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے اور دنیا کی منڈی میں اس کی کوئی قیمت نہیں۔ افسوس کہ تیرا بھی بالکل یہی حال ہے۔ تو نے اپنی ذاتی بہبود اندرونی اصلاح دین اور کردار کی حفاظت، نیز اپنے منتشر شیرازہ کو یکجا کرنے کی ذرا پرواہ نہ کی، اپنے شعار زندگی کو باقی رکھنے اور روحانی قوت کے اسباب فراہم کرنے کے بجائے تو دوسروں کی اندھی تقلید اور نام نہاد بین اقوامی دوستی کے چکر میں پڑا رہا۔ اگر اسلامی اخوت اور مذہبی رابطہ جیسے الفاظ تیری لغت میں نہیں ہیں تو نہ سہی لیکن کاش تیری یہ روش، حق پسندی، خودداری، اخلاق اور انسانیت کے ادنیٰ تقاضوں کو پورا کر سکتی۔

تجھے یہ یقین رکھنا چاہیئے کہ جہاں دنیا کی دوسری قوموں کی طاقت و کامیابی کا دارومدار مادیت و صنعت کی ترقی پر ہے، وہاں تیری کامیابی اور ترقی کا راز اخلاق، روحانیت، دعوت، اور مقصد کی بلندی میں پوشیدہ ہے یہ ایک ناقابل انکار اور جاوداں حقیقت ہے، جسے بدقسمتی سے تیرے ذہن و فکر کے کسی گوشہ میں جگہ نہ مل سکی۔ اس کے برعکس تو نے اس طرز فکر کی ہمیشہ مخالفت کی اور ہر طرح اس کی راہ میں سنگ گراں بن کر رہا۔

اب تو تیرے لڑکپن کا زمانہ بھی گذر چکا ہے، تو نے زندگی کی کئی بہاریں دیکھ لیں، مختلف منزلیں طے کر ڈالیں، اور تلخ و شیریں کا خاصا تجربہ کر چکا، کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ تو اپنے نفع و نقصان کو پہچان لے، دور و نزدیک کا فرق سمجھے، اور دن رات میں تمیز کر سکے، جس سے تجھے معلوم ہو کہ کتنی پاک روحیں اور کیسے محبت بھرے دل تو نے ضائع کر دئے، کتنے بہادر، جان نثاروں اور کتنے مخلص ہمدردوں سے محروم ہو گیا، متعدد عرب ممالک جو تیرے ساتھ انضمام چاہتے تھے، تیرے ہاتھ سے نکل گئے، ان گنت مسلم عوام جو اسلام اور مسلمانوں کے آڑے وقت پر جان و مال سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار رہتے تھے، خدا کی راہ میں جب کوئی انہیں آواز دیتا وہ سر کے بل آتے تھے، خواہ جنگ بلقان ہو، جہاد فلسطین ہو یا معرکہ پورٹ سعید ہو ان کے جذبۂ سرفروشی میں کمی نہ آتی تھی، اور تیری ہر دلعزیزی کی وجہ وہ ایسے ہر میدان میں تیری قیادت کے منتظر تھے جو تجھے اسلام کی عظمت و شوکت کا نشان سمجھتے تھے، آج تجھ سے مایوس ہیں

ان کے دلوں میں تیرے تاریخی ہیرو محمد بن قاسم ثقفی کی یاد اب تک تازہ ہے، اس کے شاندار کارناموں کی قابل فخر داستان اب بھی ان کے سینوں میں محفوظ ہے، مظلوم کی فریاد رسی کا جو بے پایاں جذبہ تیرے اندر پایا جاتا تھا اسے اب تک دنیا فراموش نہیں کر سکی ہے، آج بھی معتصم باللہ، سلطان نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی جیسی شخصیتیں ان کے لئے پرکشش ہیں۔ ان کے کانوں میں اب بھی صدائے لبیک گونج رہی ہے۔ ملت پر تیرے احسانات کا اب بھی اعتراف کیا جاتا ہے ـــ

یہ داستان انتہائی الم انگیز ہے، اشک و خوں کی آمیزش ہے، یہ ایک حکایت بھی ہے اور شکایت بھی، امید بھی اور مایوسی بھی، یہ اس بات کی شکایت ہے کہ تو نے اپنے مرکز کو چھوڑ کر خوان مغرب کے بچے کھچے کو اپنا مطمح نظر کیوں بنا لیا، ایسے کم ظرف اور مردہ ضمیر لوگوں کی صحبت تو نے کیوں اختیار کی جنہیں نہ اصابت رائے ہے نہ قوت فکر، نہ عظمت کردار کا کوئی ورثہ۔ سوا اس کے جو دودھ سے ان کی مجبوری میں ڈال دیا جائے۔ یہ شکایت ہے حق سے تجاہل برتنے اور مظلوم کے بجائے ظالم کا ساتھ دینے کی! افسوس اس کا ہے کہ جرائم پیشہ گروہ کی تعریف و توصیف کے پل باندھ دیئے جائیں اور اپنے ہم عقیدہ ترک بھائیوں کو لعنت و ملامت کا ہدف بنایا جائے۔

یہ طرز فکر اس رجعت پسندانہ عرب قومیت کا فطری منطقی نتیجہ ہے جس کی جڑیں قدیم فرعونی تاریخ میں گہرائی تک چلی گئی ہیں، اس کا بھی ایک ملحدانہ اور مجرمانہ فلسفہ ہے جسے میشل عفلق اور عبدالناصر نے اپنے مجرمانہ تعاون کے ذریعہ جنم دیا ہے، یہ ان فراخدل، ذہین اور ایماندار عربوں کے خلاف بغاوت اور ان کے وسیع تر مفاد سے کھلی ہوئی غداری ہے جن کے دل خدا اور رسول کے لئے قربانی کے بے پایاں جذبہ سے سرشار ہیں، جب بھی وہ جہاد فی سبیل اللہ کا اعلان اور نعرۂ تکبیر سنتے ہیں تو ان کے دلوں میں شجاعت و ایمان کا شعلہ بھڑک اٹھتا ہے ـــ

ـــ ہمیں شکایت ہے کہ تو نے مظلوم کی مدد کیوں نہ کی ظالم کا ہاتھ کیوں نہ تھام لیا؟ کیا محض اس لئے کہ مظلوم اتفاق سے تیرا ہم مذہب تھا۔ اور مذہب کی بنیاد پر باہمی تعاون تیرے نزدیک مذہبی تعصب اور انسانیت کے آفاقی تصور کے خلاف ہے؟ یا مختلف مذاہب اور تحریکوں کے درمیان مساوات کا خود ساختہ تصور اس کی اجازت نہیں دیتا؟ سوال یہ ہے کہ تیرے اس تنگ تصور قومیت، جاہلی عصبیت، فرعونی مفاخرت اور خالص عربیت" کی "قومیتوں اور عصبیتوں کے اس دور اختلاط" میں کیا حیثیت ہے؟ اپنی تائید میں ہم دو مشہور عالمی شخصیتوں کا نام لیں گے۔ ایک مشہور مورخ آرنلڈ ٹائنبی اور دوسرے ممتاز فلسفی ڈاکٹر رادھا کرشنن۔ یہ دونوں غیر مسلم ہیں۔ لیکن ایک عالمی انسانی برادری اور ایک آفاقی حکومت (UNIVERSAL GOVT) کے داعی ہیں اور قومیت کے موجودہ تنگ نظریات کی سخت نکتہ چینی کرتے ہیں۔

قبرص کا مسئلہ حق و ناحق کا مسئلہ [illegible] ظالم و مظلوم کی کہانی ہے، کوئی نام نہاد سیاسی مسئلہ نہیں ہے اور نہ کسی قدیم تاریخی عصبیت کی کہانی ہے۔ یہ ایک ایسا اہم ترین لمحۂ فکر ہے جس میں تاریخ کے دل کی دھڑکنیں رک گئی ہیں۔ اور گردش ایام ایک جگہ ٹھہر کر اس معاملہ میں عربوں کے فیصلہ کا انتظار کر رہی ہے تاکہ وہ اپنے لئے تاریخ میں کون سا مقام متعین کرتے ہیں آیا شریف، خوددار و حوصلہ مند بہادروں کا مقام وہ پسند کرتے ہیں، یا ذلیل، کم ظرف اور پست ہمت بزدلوں کا؟

قبرص کا المیہ اپنے تمام پہلوؤں کے ساتھ عرب لیڈر شپ کا وقار (PRESTIGE) کا امتحان ہے۔ یہ اس کے ضمیر، اس کے پیغام اور اس کے بنیادی اصولوں کی آزمائش ہے، بلکہ کل عالم انسانیت کے ضمیر کی آزمائش ہے۔ نیز یہ ان عرب عوام کا ایک تاریخی امتحان ہے جو اپنی تاریخ آپ بنانا چاہتے ہیں۔

مصر! خدا نے تجھے دنیائے عرب بلکہ سارے عالم میں ایک خاص رتبہ عطا فرمایا ہے، اس رتبۂ بلند کی بھاری ذمہ داریاں ہیں، تیری معمولی سی چوک اور ذرا سی لغزش پوری نسل انسانی کی تباہی کا باعث بن سکتی ہے۔ اسی طرح تیری حکیمانہ پالیسی اور صراط مستقیم پر اٹھنے والا تیرا ایک قدم عربوں کی نشاۃ ثانیہ اور ساری انسانی برادری کی حیات نو کا پیش خیمہ بن سکتا ہے۔ اور دکھی انسانیت کے لئے ایک جدید تاریخ اور شاندار مستقبل کا ضامن ہو سکتا ہے۔

نیکی اور بدی دونوں کا راستہ کھلا ہے! دونوں میں سے جو چاہے اپنے لئے پسند کرے!!

*****

بقیہ نصاب ندوۃ العلماء ......

حدیث نبوی، فقہ اسلامی اور ہمارے تمام اسلاف کے علمی ذخیرے سے استفادہ اور عصر حاضر میں اسے پُر زور مدلل اور موثر طریقہ سے پیش کرنے کی غرض سے ہمیں یہ زبان سیکھنی ہے ـــ عربی زبان ہمیں اس لئے محبوب و مطلوب ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو عالم انسانیت کی ابدی رہنمائی کے لئے آیا ہے، رسول اللہ صلعم کی وہ تعلیمات ہیں جن کی پیروی میں انسانوں کی فلاح اور نجات ہے۔ عربی کو ہم عصری اسلوب میں سمجھنے، بولنے اور لکھنے پر اس لئے بھی زور دیتے ہیں کہ مشرق وسطیٰ کے وہ عرب جن کے آباؤ اجداد کے ذریعہ اسلام جیسی نعمت ہمیں میسر ہوئی آج قوم پرستی، وطن دوستی، نسلی عصبیت مغرب زدگی اور الحاد و بے دینی کی راہ پر سرپٹ دوڑ رہے ہیں، ہمیں اس زبان میں کمال حاصل کر کے ان حریفوں کو ان کا وہ بھولا ہوا سبق یاد دلانا ہے جنہیں ان کے آباء و اجداد نے ہمیں سکھایا ہے۔ ہماری یہ کوشش اگر کسی درجہ میں بھی ان کو اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی میں قرآن کی چھینٹے اور خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پرچم تلے متحد کرنے میں معاون ثابت ہوئی تو ہم سمجھیں گے کہ ہم نے اس مبارک زبان کو سیکھنے کا کچھ حق ادا کر دیا ـــ"

ندوۃ العلماء کے بانیان اور کارکنوں کے مندرجہ بالا مقاصد اور نیک خواہشات کے علم اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نصاب تعلیم سے تفصیلی واقفیت کے بعد بھی اگر کسی فرد یا گروہ کی طرف سے ندوہ کے متعلق اس غیر ذمہ دارانہ رائے کا اظہار ہوتا ہے کہ ـــ

"ندوہ میں صرف کچھ اردو عربی وغیرہ لکھنا پڑھنا آ جاتا ہے، دینی علوم اور دینداری سے اسے کوئی تعلق نہیں۔"

تو یہ بات ایسی ہی مضحکہ خیز اور عجیب معلوم ہوتی ہے کہ جیسے کہ کوئی شخص مچھلیوں کے بارے میں یہ رائے قائم کرے کہ وہ تیرنا ہی نہیں جانتیں، اور کسی مشہور تیز دوڑنے والے نوجوان کے متعلق یہ کہے کہ "اُسے تو چلنا ہی نہیں آتا" یا حنیف محمد اور سوبرس (کرکٹ کے مشہور بیٹسمین (BATSMAN) کے متعلق یہ فیصلہ کر دے کہ "انہیں تو بیٹ (BAT) پکڑنا ہی نہیں آتی۔"

وقس علیٰ ھذا

جلوتیان مدرسہ کور نگاہ و مردہ تن

خلوتیان میکدہ کم طلب و تہی کدو

---

[1] اخوان المسلمین کا پسندیدہ نعرہ ہے۔

قرآن مجید کی خدمت کا ایک نیا مبحث

مولانا محمد اویس نگرامی ندوی

علمائے متقدمین و متاخرین نے جس طرح علوم قرآن کی خدمت کی ہے اس کا انکار وہی کرسکتا ہے جو ان علمی ذخائر سے ناواقف ہے، علامہ سیوطی نے اپنی کتاب "الاتقان فی علوم القرآن" میں بہت ہی شرح و بسط کے ساتھ ان تمام مباحث و علوم کا ذکر کیا ہے جن کا قرآن سے تعلق ہے، اور اہل علم نے ان پر کام کیا ہے کہ "ترک الاولون للاخرین" کے مطابق اب بھی قرآن مجید کے طالب علموں کے لئے قرآن کی خدمت کے لئے بے شمار راہیں موجود ہیں، اس وقت علوم قرآن کے خادموں کے سامنے ایک ایسے مبحث کی نشان دہی کرنا ہے جس پر بحیثیت فن کے ابتک کام نہیں ہوا ہے گو اس کے اشارات تفسیر اور لغت کی کتابوں میں ملتے ہیں۔

نوعیت یہ ہے کہ قرآن مجید میں ایک ہی مادہ مختلف ابواب سے استعمال ہوا ہے۔ حضرت الاستاذ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے فیض توجہ سے ذہن ادھر متوجہ ہوا کہ ایک ہی مادہ کا مختلف ابواب میں آنا کسی افادہ سے خالی نہیں ہے۔ جسقدر اس موضوع پر محنت کرنے کا موقع ملا، قرآن مجید کے اعجاز کا ایک نیا باب سامنے آیا اور راقم سطور کا تو یہ حال رہا کہ جب اس قسم کے لطائف و نکات سامنے آئے اور اسرار قرآنی سے پردہ اٹھا تو ایک وجد کی کیفیت طاری ہوگئی، اس وقت ناظرین کے سامنے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں تاکہ یہ اندازہ ہوسکے کہ علوم قرآن کا یہ مبحث کسقدر دلچسپ اور پرمعنی ہے اس سلسلہ میں اصولی بات یہ ہے کہ الفاظ کی زیادتی و قوت کو معنی کی اہمیت اور قوت میں بہت ہی زیادہ دخل ہے جیسا کہ مصنف طراز فرماتے ہیں:

"معنی میں زور و قوت کا جو ظہور ہوتا ہے وہ الفاظ کی وجہ سے ہوتا ہے اور الفاظ میں یہ قوت صیغوں کے رد و بدل کی وجہ سے آتی ہے، اگر ایسا نہ ہو تو پھر الفاظ کی کمی و زیادتی کا کوئی فائدہ نہ ہوگا[1]۔ اس لئے معنی میں قوت پیدا کرنے کے لئے الفاظ کی زیادتی لازمی ہے، مزید وضاحت کے لئے چند مثالیں درج ذیل ہیں:۔

علّام الغیوب اور عالم الغیب میں بہت فرق ہے علّام زیادہ جاننے والے کو کہیں گے اور عالم صرف جاننے والے کو اسی طرح مقتدر اور قادر کے معنی میں نمایاں فرق ہے۔ اسی طرح محب التوابین اور یحب المتطہرین میں جو زور بیان پایا جاتا ہے وہ تائبین اور طاہرین میں نہیں پایا جاتا کیونکہ تواب ہمہ وقت توبہ کرنے والے کیلئے یا کثرت سے توبہ کرنے والے کے لئے مستعمل ہے اور تائب صرف توبہ کرنے والے کو کہتے ہیں، اسی طرح متطہر اس کو کہیں گے جو ہمہ وقت پاک رہتا ہو اور طہارت حاصل کرنے والے کو کہتے ہیں[2]۔

(۱) ایک آیت ہے: فما اسطاعوا ان یظہروہ، وما استطاعوا لہ نقباً " اس میں بھی الفاظ کی زیادتی سے معنی میں تبدیلی واقع ہوگئی ہے، کیونکہ "ت" حروف شدت میں سے ہے اور اسی وجہ سے یہ واضح ہوگیا کہ اہم مہم اور سخت کام کے لئے استطاع کا لفظ مستعمل ہوگا اور آسان و سہل کام کے لئے اسطاع کیونکہ فما اسطاعوا ان یظہروہ کے معنی یہ ہیں کہ اپنے ضعف کی وجہ سے وہ اس پر غلبہ نہ کرسکے اور فما استطاعوا لہ نقباً کے معنی یہ ہیں کہ شدت اور سختی کی وجہ سے وہ سوراخ نہ کرسکے[3]۔

(۲) دوسری آیت علم اللہ انکم کنتم تختانون انفسکم فتاب علیکم وعفا عنکم " میں "تختانون" کا باب افتعال سے آنا، بہت ہی پرمعنی ہے بظاہر آیت صرف یہ بتا رہی ہے کہ "نعوذ باللہ" صحابہ کرام خیانت کے مرتکب ہوتے تھے بعض فرق ضالہ نے تو اسی آیت کو لیکر صحابہ کرامؓ کے خلاف طعن و تشنیع کی ایک مہم شروع کردی، لیکن جب لغت پر نظر ڈالی گئی تو قرآن کے اعجاز کا قائل ہونا پڑا کیونکہ اختیان خیانت کا ارادہ کرنے کو کہتے ہیں۔ خیانت کے خیال اور تصور کو اختیان کہا جاتا ہے اور خیانت کرنے کے معنی میں جو لفظ استعمال ہوتا ہے وہ یخونون ہے نہ کہ یختانون، اور خیانت کا تصور اور خیال کوئی بری بات نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہی ہے ان النفس لامارۃ بالسوء: نفس برائیوں کیطرف کثرت سے راغب کرتا ہے[4]۔

حاصل یہ ہے کہ قصد فعل دوسری چیز ہے اور صدور فعل دوسری چیز ہے، قرآن مجید کا اشارہ قصد کی طرف ہے صدور کی طرف نہیں، اسلئے یہ آیت صحابہ کرام کے مناقب کے ذیل میں آتی ہے کہ باوجود قصد کے ان سے اس کا ارتکاب نہیں ہوا،

(۳) اللہ تعالیٰ اپنے لطف و کرم کا اظہار کرتے ہوئے فرماتے ہیں لہا ما کسبت وعلیہا ما اکتسبت: یعنی انسان سے کار خیر پر تو ثواب مل جائے گا لیکن سزا اسی وقت ملے گی جب کوئی گناہ عظیم سرزد ہوا ہو اتنا عظیم فرق صرف اس ایک "ت" کی زیادتی سے پیدا ہوگیا حالانکہ دونوں کا مادہ ایک ہی ہے[5] اس لئے کہ اکتسبت باب افتعال سے ہے جمیں قصد و ارادہ ضروری ہے'

(۴) حضرت زکریاؑ کے بارے میں ارشاد ہوا، سیداً وحصوراً ونبیاً من الصالحین: حصر کے لغوی معنی روکنے کے ہیں اور حصور اسی سے مشتق ہے لیکن یہ مبالغہ کا صیغہ ہے اس لئے اس کے معنی میں اور حصر کے معنی میں بالکل مغایرت ہوگی۔ علامہ خفاجی فرماتے ہیں ــــ "حصور مبالغہ کا صیغہ ہے اور مبالغہ صرف اختیاری افعال میں ہی پایا جاتا ہے لہٰذا حصور کے معنی ہیں قدرت کے باوجود محصور رہنا[6]"، اس لئے معلوم ہوا کہ زکریا مجبوراً محصور نہیں تھے بلکہ یہ ان کا اپنا اختیاری فعل تھا۔

(۵) سورۂ قدر میں ارشاد فرمایا "تنزل الملائکۃ والروح" اس شب میں ملائکہ کا زمین پر نزول ہوتا ہے۔

تنزل باب تفعل سے ہے جس کی خاصیت تدریج ہے یعنی کسی شے کا آہستہ آہستہ پیدا ہونا۔ مصنف فتوحات الٰہیہ فرماتے ہیں:

"آیت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام فرشتے اس شب کو دنیا میں آجاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس شب میں فرشتوں کے اترنے کے بارے میں کسی قسم کی شک کی گنجائش نہیں، لیکن "تنزل" کا لفظ لاکر فرشتوں کے نزول کی نوعیت متعین کردی کہ وہ یک بیک نہیں اترتے بلکہ جوق در جوق یکے بعد دیگرے اترتے رہتے ہیں جس طرح حجاج جوق در جوق خانۂ کعبہ کی حاضری کے لئے آتے ہیں[7]۔

(۶) منافقین کے بارے میں خدا کہتا ہے 'وجاء المعذرون من الاعراب" معتذرون نہیں فرمایا، کیونکہ ان دونوں میں بہت فرق ہے، 'معذر' صرف اس شخص کے لئے استعمال ہوتا ہے جو معذور تو نہ ہو لیکن خواہ مخواہ اپنے آپ کو معذور گردانے اور معتذر صحیح اور غیر صحیح دونوں قسم کے عذروں کے لئے آتا ہے: قرآن نے "معذرون" کا لفظ استعمال کرکے یہ بتادیا کہ منافقین حقیقتاً معذور نہیں تھے۔

(۷) وعلی الذین یطیقونہ فدیۃ طعام مسکین: اس آیت کے تفسیری مباحث اہل علم کے سامنے ہیں لیکن یطیقونہ کے باب افعال سے آنے کے اسرار پر غور کیجئے تو بحث کس قدر آسان ہوجاتی ہے باب افعال کی ایک خاصیت سلب ماخذ ہے اس لئے یطیقونہ کے معنی لا یطیقونہ ہوئے اب مفہوم میں کسی قسم کا اشکال نہیں رہا یعنی جو روزہ کی طاقت نہ رکھتے ہوں وہ اس کے بدلے فدیہ ادا کریں۔

لسان العرب کے مصنف فرماتے ہیں کہ (باقی ص ۱۴ پر)

[1] کتاب الطراز ج ۲ ص ۱۶۳

[2] کتاب الطراز ج ۲ ص ۱۶۳ [3] التاج المکلل ص ۲۰۲۔

[4] المفردات فی غریب القرآن للراغب ص ۱۷۳

[5] کتاب الطراز ج ۲ ص ۱۴۴، ۱۴۵ [6] شرح شفاء الشہاب ص ۵۶۵

[7] الجمل ج ۴ ص ۵۶۶

کلام خیر الانام

جہنم سے بچنے کا ذریعہ

مولانا محمد اسحاق سندیلوی ندوی

مامن احد یشہد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ صدقاً من قلبہ الا حرمہ اللہ علی النار، (مشکوٰۃ شریف کتاب الایمان)

جو شخص صدق دل سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا قائل اور مقر ہو، اسے اللہ تعالیٰ جہنم پر حرام کردیں گے (یعنی وہ جہنمی نہیں ہوسکتا)

مطلب یہ ہے کہ جو شخص توحید رسالت کا قائل اور دل سے اس کا معتقد ہوگا، وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں داخل نہ ہوگا، اگر گناہوں کی وجہ سے جہنم میں داخل بھی کیا جائے گا تو اس کی سزا میعاد معین کے لئے ہوگی اور بالآخر جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں چند باتوں کا سمجھ لینا بہت ضروری ہے۔

اول حدیث ایمان کی اہمیت اور اس کی قدر و عظمت کو بتا رہی ہے کہ یہی وہ چیز ہے جو بالآخر جنت میں پہونچاتی ہے اور جہنم کے دائمی عذاب سے بچاتی ہے۔ عمل خواہ کتنا ہی اچھا ہو بغیر ایمان کے بارگاہ الٰہی میں مقبول نہیں ہوسکتا اور جہنم کے دائمی عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ اس زمانہ کا ایک فتنہ یہ بھی ہے کہ بہت سے ایمان رکھنے والوں کے دلوں میں بھی ایمان کی وہ عظمت و قدر اور اہمیت و حمیت باقی نہیں رہی ہے جس کی یہ دولت بجا مستحق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت سے دیندار اشخاص تہجد و نوافل کا تو اہتمام کرتے ہیں لیکن تصحیح عقائد کا کوئی اہتمام نہیں کرتے۔ توحید کی تفصیل جاننے کا انھیں کوئی شوق نہیں ہوتا عقیدہ رسالت کے کیا کیا لوازم ہیں ان سے واقفیت پیدا کرنے کی انھیں کوئی فکر نہیں ہوتی۔ اس قسم کے لوگوں کے عقائد کا تجزیہ کیجئے تو اس میں آپ کو شرک کے اجزاء خاصی تعداد میں ملیں گے۔ ان کا عقیدۂ رسالت بھی ضعیف اور اشراک فی النبوۃ سے پاک نہ ہوگا۔ شیعیت کا زہر تو آج اہلسنت کی اکثریت کے ذہنوں میں سرایت کرچکا ہے البتہ تاثر کے درجے مختلف ہیں۔ یہاں تک کہ علماء کی ایک خاصی تعداد بھی قادیانیت کے جراثیم بھی خاصی تعداد میں ذہنوں میں اپنا گھر بنا چکے ہیں۔ دین سے ناواقف نیا تعلیم یافتہ طبقہ اس مرض کو قبول کرنے کی زیادہ صلاحیت رکھتا ہے۔ میرا یہ مقصد نہیں ہے کہ یہ لوگ قادیانی متنبی پر ایمان لے آتے ہیں مطلب یہ ہے کہ یہود اور قادیانیوں نیز بعض دوسرے دشمنان اسلام کے پروپیگنڈے کا اثر بعض لوگوں پر یہ ہوا ہے کہ عقیدۂ ختم نبوت کا شجرۂ طیبہ ان کے دلوں میں خشک ہوتا جارہا ہے۔ مگر انھیں اس کی کوئی فکر نہیں ہے۔ یہ اس بات کی واضح علامت ہے کہ امت کے ایک طبقہ کے دل سے ایمان کی عظمت و اہمیت اور اس کی قدر و قیمت کا صحیح شعور مفقود ہوگیا ہے۔ مزید افسوس یہ ہے کہ علماء دین میں بھی ایسے حضرات کی تعداد قلیل ہے جو اس کی اہمیت کا احساس کرکے عوام کی اس خطرناک غفلت کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ راقم السطور کی رائے میں مسلمانوں کے دینی و دنیاوی انحطاط کا حقیقی سبب یہی ہے کہ ان کے عقائد ایمانیات میں گھن لگ گیا ہے اور وہ اس حالت میں نہیں ہیں جس حالت میں انھیں ہونا چاہیئے۔ مقام افسوس ہے کہ اس کی طرف متوجہ ہونے والے بہت کم ہیں، علماء کی تقریروں کا موضوع اب زیادہ تر فضائل تک محدود ہوگیا ہے۔ اکثر بیانات تو محض سیرت نبوی سے تعلق رکھتے ہیں اور اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و مناقب کے علاوہ کوئی دوسرا جزو بہت قلیل بلکہ بمنزلہ معدوم ہوتا ہے عقیدہ توحید یا عقیدہ رسالت کی ایسی تفصیل جو شرک کے زنگ کو ذہن سے دور کردے، اور اس عقائد کے منافی و مخالف خیالات و افکار سے انھیں پاک کردے آج کے بیانات میں الشاذ کالمعدوم کی حیثیت رکھتی ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ان واعظین میں سے بھی بہت سے ایمان کی ناقدری کے خطرناک مرض میں مبتلا ہوئے ہیں، اس مرض کی ایک علامت یہ بھی ہے جو بکثرت افراد میں پائی جاتی ہے کہ ایسے آدمی کو فسق و فجور کے پھیلنے سے سخت اذیت و تکلیف ہوتی ہے لیکن ضلال و بدعقیدگی پھیلنے سے اس کی نصف ناگواری بھی نہیں ہوتی۔ مثلاً بے حجابی کے رواج کا ماتم تو اس قسم کے حضرات بڑے درد انگیز لب ولہجہ میں کرتے ہیں، لیکن قادیانیت وغیرہ کی اشاعت و ترویج کو دیکھ کر ان کی پیشانی پر شکن بھی نہیں پڑتی۔ زیادہ تفصیل کا موقع نہیں ہے۔ سمجھدار آدمی کے لئے یہ دو علامتیں کافی ہیں۔ حدیث مذکورہ پڑھنے کے بعد ہم سب کو اپنا دل ٹٹول کر دیکھنا چاہیئے کہ ہمارے دل میں دولت ایمان کی قدر و عظمت ویسی ہی ہے یا نہیں جس کا اسے استحقاق ہے، اگر نہیں تو اس مرض کا جلد از جلد علاج کرنا چاہیئے۔

دوم: کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ، جنت کی کنجی اور جہنم سے بچانے والی پناہ گاہ ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص کنجی کے دندانوں کو توڑ دے یا کنجی موڑ کر ٹیڑھی کردے یا اس کا کوئی اور حصہ ضائع کردے تو کیا وہ قفل کھولنے کا کام دے سکتی ہے؟ اسی طرح اگر کوئی پناہ گاہ میں رخنے کردے یا اس کے کسی حصے کو منہدم کردے تو کیا وہ اُسے پناہ دے سکتی ہے؟

اس مثال سے مقصد یہ سمجھانا ہے کہ وہی عقیدہ توحید جنت میں پہونچانے والا اور جہنم سے بچانے والا ہے جسکے ساتھ مشرکانہ عقیدہ کی آمیزش نہ ہو اسی طرح وہی ایمان بالرسالۃ صحیح معنوں میں ایمان، جنت کی کنجی اور جہنم سے وجہ اماں ہے جس کے ساتھ ذہن میں کوئی ایسا عقیدہ نہ ہو جو ایمان بالرسالۃ کے بالکل منافی ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ مومن ہونے کے لئے محض اتنا کلمہ پڑھ لینا اور ان کا اجمالی اقرار کرلینا، کافی نہیں ہے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کسی ایسی بات کا قائل نہ ہو جو اس کے مخالف اور اس کے متعلق ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص اس کلمہ کا قائل ہونے کے ساتھ تحریف قرآن کا قائل یا ختم نبوت کا منکر ہے تو اسلام کی نظر میں اسے اس کا قائل اور مومن نہیں سمجھا جاسکتا۔

سوم: حدیث اہل ایمان کے لئے بہت بڑی بشارت ہے۔ لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ انھیں آزادی دیدی گئی ہے کہ جو چاہیں کریں۔ دوسری حدیثوں سے ثابت ہے کہ بداعمالیوں کا عذاب بہت سخت ہوگا۔ اور اس کی مدت بھی بہت طویل ہوگی۔ حالانکہ عذاب جہنم تو ایک لمحہ کے لئے بھی ناقابل برداشت ہے۔

اس کے بعد یہ بات یاد رکھنا چاہئے کہ یہ بشارت اسی شخص کے لئے ہے۔ جس کا خاتمہ کلمۂ ایمان و یقین پر ہو۔ اور بداعمالیوں کی کثرت سے بعض اوقات نور ایمان کے بجھنے اور خاتمہ خراب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

والعیاذ باللہ

(۳)

چند روز دیار غیر میں

یورپ کی کہانی ندوی سیاح کی زبانی

مولانا عبداللہ عباس ندوی

روم کے بعد دوسری منزل پیرس تھی، یہ مسافت ٹرین سے طے کی۔ اس مضمون کی ابتدا میں میں نے روداد و منزل کے بیان میں اجمال سے کام لیا تھا کہ یہ ایسے تجربات ہیں جن سے ہر ایک مسافر کو گذرنا پڑتا ہے۔ لیکن ان ممالک میں ٹرین کا سفر کچھ مختلف نوعیت رکھتا ہے اس لئے کسی قدر تفصیل ضروری ہے۔

روم میں ہوٹل کے منیجر نے میری خواہش پر ریلوے ٹکٹ مع سیٹ کے لئے ریزرویشن کارڈ منگا کر میرے حوالے کر دیا۔ ٹکٹ اور کارڈ پر جو کچھ لکھا تھا وہ سب اطالوی زبان میں تھا۔ لیکن مقامات کے نام اور عدد دو ایسی چیزیں ہیں جو خواہ کسی زبان میں لکھی جائیں اگر رومن حروف تہجی سے واقفیت ہے تو پڑھنے میں دشواری نہیں ہوتی۔ تھوڑا بہت ہجے کا فرق ہوتا ہے، اس کو معمولی قیاس سے آدمی سمجھ لیتا ہے چنانچہ میں نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ پلیٹ فارم نمبر ۸ پر پیرس جانے والی گاڑی ۶ بجے شام کو چھوٹے گی۔

ٹیکسی والے کو ایک گونگے کی طرح ریلوے ٹکٹ دکھایا اس نے اسٹیشن پہنچا دیا۔ اسٹیشن تھا تو بہت طول طویل پرشکوہ، عالیشان لیکن جہاں ٹیکسی نے لاکر کھڑا کیا اسکے سامنے ہی ۸ نمبر کا پلیٹ فارم تھا، طبیعت خوش ہو گئی۔ کفایت شعاری کا خیال سفر میں کچھ زیادہ ہی مد نظر رہتا ہے اپنے سوٹ کیس خود ہاتھ میں اٹھا کر چل پڑے اور تھوڑے فاصلہ پر جا کر ایک کنارے پر رکھ دیا اور گاڑی کا انتظار کرنے لگا جب پانچ سوا پانچ پھر ساڑھے پانچ ہونے کو آئے تو تشویش ہوئی، خیال ہوا گاڑی لیٹ ہوگی۔ ارادہ کیا کہ کسی سے دریافت کروں ایک دو سامنے سے گذرنے والوں سے پوچھا وہ ٹھہر تو گئے، ہمدردی و اخلاق کی نگاہ سے میری پریشانی کو دیکھا لیکن کچھ اطالوی میں بولے جس کو میں سمجھ نہ سکا، اب سوچا کہ انکوائری آفس جانا چاہئے وہاں انگریزی زبان میں معلومات بہم پہنچانے کا ضرور انتظام ہوگا اپنا سامان جس کو ہلکا سمجھا تھا اب بوجھ ثابت ہونے لگا دفاتر کی قطاریں تھیں اور سوائے ایک دو سائن بورڈ کے کسی کو پڑھ نہ سکا، خیر خدا خدا کرکے تقریباً ایک فرلانگ کا چکر لگانے کے بعد انکوائری کی عمارت ملی جس کو قیاس اور حروف تہجی کی مدد سے پڑھا، یہ ایک مستقل عمارت تھی اور کسی طرح اس شعبے کے پاس پہونچ گئے جہاں انگریزی میں جوابات مل سکتے تھے، معلوم ہوا کہ گاڑی آکر چلی گئی اور میں جس جگہ کھڑا انتظار کر رہا تھا۔ وہ جگہ گاڑی آکر رکنے کی نہ تھی، اب ۹ بجے دوسری گاڑی مل سکتی ہے۔ لیکن ریزرویشن بیکار ہو گیا۔ عام ڈبوں میں جہاں جگہ مل جائے بیٹھ سکتا ہوں، پلیٹ فارم وہی ہے، اسی انکوائری آفس کے ذریعہ پورٹر (قلی) کو ٹیلیفون کرکے بلا لیا اس عمارت سے نکلنے لگے تو ایک سائن بورڈ عربی خط میں الاستعلامات کا دکھائی دیا۔ ایک گونہ خوشی ہوئی کہ اب کوئی مصیبت آئی تو اس کو اکر "عربی میں حل" کرلیں گے ساتھ ہی ایک حسرت بھی ہوئی جس کو چھپا نہیں سکتا اور وہ یہ کہ اگر اردو بولنے والے ملک میں قومی خودداری ہوتی اور عربوں کی طرح اس کو بھی اپنی زبان پر اعتماد ہوتا تو آج یہاں ان کو ایک اردو دفتر بھی قائم کرنا پڑتا۔

ٹرین اسی انداز کی تھی جو عراق و مصر میں دیکھ چکے تھے۔ چھ چھ سیٹ کے علیحدہ علیحدہ کمرے اور سامنے کی گیلری جو تمام بوگیوں سے مربوط ہوتی ہے۔ تھوڑی تلاش سے سیٹ حاصل کرلی۔ مقابل کی سیٹ پہ کنارے کی طرف ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ میں جس لائن میں تھا۔ وہ تینوں سیٹیں بھری تھیں جب رات ہوئی تو دیکھا کہ سامنے والا آدمی اونگھ رہا ہے مگر خالی سیٹوں پر قبضہ کرکے دراز نہیں ہو رہا ہے۔ ایک اسٹیشن پر کچھ مسافر آئے اور انھوں نے ان خالی جگہوں پر قبضہ کر لیا، میں نے دل میں کہا کہ ہمارے ملک میں تو اگر اس طرح خالی سیٹ کسی کو ملتی تو یقیناً اس پر اس طرح قبضہ کرلیتا کہ کسی کو جھگڑے کے بعد بھی بیٹھنے کی شاید ہی گنجائش نکلتی، لیکن ان اقوام کی ذہنی تربیت اس طرح ہوئی ہے کہ قانون کا احترام اور اس کی تعمیل ان کے مزاج کا جزو بن گیا ہے۔ اور یہی نہیں بلکہ پورے سفر میں اس طرح کی باتیں مشاہدہ میں آتی رہیں۔

ٹرین میں ایک رفیق سفر نے پیرس کے ایک ہوٹل کا نام ایک پرچہ پر لکھ دیا تھا۔ صبح جب پیرس پہونچے تو بارش ہو رہی تھی۔ اسی پرچہ کو دیکھ کر ٹیکسی ڈرائیور نے ایک معمولی سے ہوٹل میں پہنچا دیا۔ ہوٹل کی خاتون منیجر نے اشاروں سے خوش آمدید کہا اور کمرہ بتا دیا، زبان کی دشواری یہاں اور سنگین ثابت ہوئی، انگریزی میں ایک کتاب "پیرس گائڈ" میرے پاس تھی، جس کے آخر میں ایک ضمیمہ ضروری بول چال کا تھا، جس کی مدد سے میں نے اپنی ضروریات کے جملے نقل کر لئے۔ یہاں مجھے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب سے ملنا تھا، یونیورسٹی کی سیر کرنا چاہتا تھا۔ فرنچ میں سوالات لکھ لئے۔ مگر جوابات کس طرح سمجھیں، منیجر خاتون کو جب ایک کاغذ کی چٹ پر ایک جملہ لکھ کر دیا کہ یونیورسٹی کس طرح پہونچ سکتا ہوں تو اس نے اپنی زبان میں جواب دینا شروع کیا۔ وہ غالباً ہمدردی میں بتانا چاہتی تھی کہ ٹیکسی میں بہت خرچ ہو جائے گا۔ ٹیوب لائن سے اس اس طرح چلے جاؤ۔ مگر جب اس نے محسوس کیا کہ میں اس کی بات بالکل نہیں سمجھ رہا ہوں تو اس نے ایک ایک لفظ علیحدہ علیحدہ ٹھہر ٹھہر کر اور بلند آواز سے بولنا شروع کیا، جس طرح کسی ان پڑھ دیہاتی کو سمجھایا جاتا ہے، یا کسی بہرے کو کوئی سمجھائے میں نے کہا اس طرح تو کام نہیں چلے گا، شہر میں نکل پڑا، پہلے کھانے کا سوال پیدا ہوا، کھانے کے ہوٹل ایک سے ایک پرشکوہ اور سجے سجائے ہوئے، آخر پیرس ہی تو تھا۔ جس کی نفاست ضرب المثل ہے۔ سڑکیں دیکھئے تو آئینہ کی طرح صاف و شفاف، کیا مجال کوئی تنکا بھی نظر آجائے لوگوں کو دیکھئے تو انسان سے زیادہ مشین کے ڈھلے ڈھلائے پرزے معلوم ہوں، سب کے سب چاق و چوبند، اپنی اپنی راہ پر لگے ہوئے، نہ دائیں بائیں دیکھنا نہ کسی سے کچھ پوچھنا کسی نے سگریٹ کی ڈبی کھولی تو اس کے اوپر کا باریک کاغذ ہاتھ میں لئے ہوئے ہے۔ سڑک پر پھینکتا نہیں ہے، دور ایک بجلی کے پایہ سے لگی ہوئی ٹوکری ہے اس میں جا کر ڈالتا ہے، نہ آپس میں ایک دوسرے کو آواز دیتے ہیں، نہ کسی طرح کا شور و ہنگامہ، انسانوں سے بھری ہوئی آبادی اور شہر خموشاں، جب تک کہ کوئی رہنما نہ ہو، ایک اجنبی مسافر کے لئے ہر قدم پر مشکل، میرا خیال ہے کہ ہند و پاکستان میں انگریزی نہ جاننے والا شخص بھی دو چار لفظ سے تو ضرور واقف ہوتا ہے جس سے کسی مسافر کو نمٹ سکے مگر ان کے تعصب کا یہ حال کہ عام طور پر ایک لفظ بھی سمجھنے یا بولنے پر تیار نہیں، بہر حال مجھے کھانے کے لئے کچھ سامان لینا تھا، ہوٹل تو جاتے سے رہا کیونکہ مسئلہ صرف ذبیحہ کا نہ تھا۔ بلکہ یہ اچھی طرح معلوم تھا کہ کوئی ترکاری سالن بھی خنزیر کی چربی سے پاک نہیں مل سکتی، اس لئے ایک اسٹور میں گئے اور مکھن جام ڈبل روٹی زیتون پنیر خرید لائے اسی کتاب کی مدد سے ان اشیاء کے نام کاغذ پر لکھ لئے تھے جب اسٹور میں گئے وہاں دیکھا کہ دو آدمی لائن لگائے

دروازے کے پاس کھڑے ہیں، میں تیسرا شخص تھا، دو کاندار عورت ایک گاہک سے نمٹ لیتی تو دوسرا اس کے سامنے جاتا اور بقیہ پیچھے لائن لگائے کھڑے رہتے، میں نے دل میں کہا کہ اس قدر ڈسپلن تو ہمارے مشرقی ممالک کے سرکاری دفاتر میں بھی نہیں ہوتا۔

سہ پہر کو میں نے ہندوستانی سفارت خانے کے کونسلر کو ٹیلیفون کیا۔ انھوں نے میری مدد و رہنمائی کے لئے ایک بنگالی ہندو نوجوان کو بھیج دیا جو پیرس میں دس سال سے مقیم ہیں۔ یہ صاحب جس خاندان کے ساتھ رہتے ہیں انھیں کی گاڑی پر آئے اور اپنی قیام گاہ کی مالکہ اور مالک سے ملایا۔ یہ لوگ پہلے فرانسیسی باشندے تھے جن سے میری ملاقات ہوئی اور ان کے ذریعہ فرانسیسی قوم کے اخلاق و مدارات کا اندازہ ہوا۔ جب گفتگو کیجئے تو سر جھکا کر ذرا آنکھیں بند کرکے سنیں گے گویا پورے اعصاب سے آپ کی طرف متوجہ ہیں۔ جواب دیجئے تو چہرے پر بشاشت نمایاں کرلیں گے، خود گفتگو کریں گے تو آہستہ آہستہ مسکرا مسکرا کر، جیسے دلدہی کر رہے ہیں، مجھے ٹریولرس چیک بھنانا اور ایک لیٹر پیڈ خریدنا تھا۔ بارش ہو رہی تھی، مگر خود بھی میرے ساتھ دونوں گاڑی سے اترے اور خریداری میں مدد کی، پھر ایک بڑے ہوٹل میں کمرہ دلوایا جہاں کے ملازمین، منیجر وغیرہ تمام زبانیں بولتے تھے (سوائے اردو عربی وغیرہ کے) ہوٹل سے میں نے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کو ٹیلیفون کیا تو معلوم ہوا کہ ابھی انقرہ سے واپس نہیں آئے ہیں، یہ سنکر بہت ملال ہوا کیونکہ پیرس رکنے کا ایک خاص سبب ان سے ملاقات کی تمنا تھی ثقہ ترین حضرات سے سنتا رہا ہوں کہ ان کا وجود پیرس میں بحر ظلمات کے اندر منارۂ نور کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ وہاں کے لئے قطب اور ولی ہیں۔ کتابوں اور علم کے لئے جیتے ہیں۔ فرانسیسی کے علاوہ جرمن میں بھی قرآن کریم کا ترجمہ کر چکے ہیں۔ فرنچ میں سیرت نبوی پر کتاب لکھی ہے، انتہائی محتاط، سادہ اور اپنی روایتی وضع داری پر قائم رہتے ہوئے زندگی گزارتے ہیں چونکہ ذہن میں صرف انھیں کا تصور تھا اس لئے پہلے سے پیرس میں اور کوئی ذریعہ تلاش نہیں تھا۔ بہر حال ایک روز کے لئے اور وہاں ٹھہر گئے اور اسی فرانسیسی میزبان کے ذریعہ شہر کی سیاحت کی، یونیورسٹی کے در و دیوار دیکھے، وہ عظیم الشان کتب خانہ دیکھا جس کے متعلق امید تھی کہ پروفیسر حمید اللہ صاحب کے ذریعے تفصیل سے سمجھیں گے اور اس کی خصوصیات معلوم کریں گے۔ مسلمانوں کی شاندار مگر نمازیوں پر توحہ خواں مسجد دیکھی صرف تجربہ کے لئے ٹیوب لائن پر بھی سفر کیا۔ پورے شہر میں زمین دوز ریلوے لائن کا جال بچھا ہے اور ٹرینوں کا کام وہی ہے جو دوسری جگہوں پر ٹرامویز اور بسوں کا ہوتا ہے، انتظامات شاید و باید، بڑے بڑے گیٹ پیروں کی آہٹ سے کھلتے اور بند ہوتے ہیں اس کو یوں سمجھئے ایک بڑا گیٹ ہے جس کے دروازے بند ہیں، جب آپ پائدان پر قدم رکھیں گے تو وہ خود بخود کھل جائے گا اور جیسے ہی آپ اندر ہوئے وہ بند ہو گیا۔

اسٹیشنوں پر رہنمائی کا انتظام بھی بہت دلچسپ ہے۔ اسٹیشنوں پر نقشے لگے ہوئے ہیں، حروف تہجی کے اعتبار سے مقامات کی فہرست نیچے دی ہوئی ہے جہاں آپ کو جانا ہے اس پر انگلی رکھ دیجئے تمام لائنیں بجلی سے روشن ہو جائیں گی۔ کہ آپ اس اسٹیشن سے جہاں کھڑے ہیں کس ٹرین پر جائیں اور کہاں ٹرین بدلیں۔ یہ نقشے پلیٹ فارم پر بھی لگے ہوئے ہیں۔

بہر حال پیرس کی سیر بہت سرسری اور سطحی رہی تیسرے روز شام کو لندن کے لئے ٹرین سے روانہ ہو گیا اس مرتبہ ٹکٹ اور بکنگ وغیرہ ٹھومس کوک کمپنی کے ذریعہ کی تھی اور روم کے تلخ تجربے نے ذرا ہوشیار کر دیا تھا اس لئے اسٹیشن پہونچتے ہی پورٹر کے حوالہ سامان کر دیا اور اس نے اپنا کارڈ دے دیا۔ ڈبہ تلاش کرکے اپنی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پورٹر (قلی) نے سامان لاکر ترتیب سے لگا دیا، اس کی مزدوری اس کے کارڈ پر لکھی ہوئی تھی وہ سب باتیں پیش نہیں آئیں جو اپنے ملک میں قلیوں کے ساتھ جھیلنا پڑتی ہیں۔

سفر سے پہلے تجربہ کار احباب نے بتایا تھا کہ لندن اگر ٹرین سے جائے تو خاص چیز آپ یہ دیکھیں گے کہ پوری ٹرین جہاز (بحری) پر چلنے لگے گی۔ میں کوئی صحیح تصور قائم نہ کر سکا تھا لیکن اتنا سمجھا تھا کہ اب اس ڈبہ سے اترنا نہیں ہے۔ یہی لندن تک پہونچا دیگا۔ مگر تو یہ کہئے کیا نوبت کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ جب گاڑی ڈوبیر پہونچی ہے۔ دیکھا تمام مسافر کھٹا کھٹ اترنے لگے، پورٹر اپنے ٹھیلوں پر سامان اٹھائے بھاگے جا رہے ہیں۔ کسی سے پوچھتا ہوں تو کوئی صاف بتاتا نہیں۔ کسی ریلوے افسر کا پتہ نہیں دیکھتے ہی دیکھتے پوری گاڑی خالی ہو گئی مجبوراً "فیفعلو من حیث افاض الناس" پر عمل کرتے ہوئے اپنے سوٹ کیس ہاتھ میں لئے چل پڑے تقریباً نصف فرلانگ چلا پڑا اور لائن لگا کر جہاز پر سوار ہوئے نہ گاڑی جہاز پر چڑھی اور نہ جہاز گاڑی کے اندر داخل ہوا۔ جہاز پر برطانوی حدود میں داخل ہونے کی کارروائیاں ہوگئیں ہر جگہ مفصل ہدایات انگریزی میں لکھی ہوئی تھیں تقریباً دو گھنٹے کے بعد جہاز سے اترے، سامان کا معمولی کسٹم ہوا اور ٹرین میں آگئے۔ جہاز ہی میں متعدد ہندوستانی مرد و عورت نظر آرہے تھے، مگر ایک دوسرے سے مخاطب نہیں ہوتے بلکہ اپنے سے مختلف لباس و حلیہ میں دیکھ کر ذرا گھور کر دیکھتے گویا ان کو برا معلوم ہو رہا ہے کہ یہ کیا دہقانیت ہے کہ صاحب کے دیس میں بھی اپنا روایتی بھیس، اس سلسلہ کا ایک مختصر واقعہ بھی سن لیجئے جو جہاز ہی پر پیش آیا تھا۔ عصر کا وقت جا رہا تھا۔ ایک برآمدے میں ایک بنچ پر کوئی انگریز بیٹھا تھا اس سے میں نے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنی عبادت ادا کرلوں، اس نے فوراً ہی جگہ خالی کر دی، ایک طرف کو سٹ گیا میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور دوگانۂ قصر ادا کر لیا۔ ایک صاحب جن کی صورت سے عیاں تھا کہ اپنے ہی ملک یا پاکستان کے ہیں قریب سے گزرے اور مجھے اشارے سے کنارے بلایا جب ان کے پاس گیا تو کہنے لگے۔ مولانا! آپ کہاں سے آرہے ہیں، کس لئے آئے ہیں، پورا انٹرویو لینے کے بعد کہنے لگے، نماز وغیرہ اگر آپ ہوٹل یا کمرے میں ہی پڑھا کریں تو اچھا ہے، لوگوں کو مضحکہ بنانے کا موقع نہیں دینا چاہئے۔ میں نے عرض کیا جناب یہ آپکا احساس ہے ورنہ کوئی بھی اس کو مضحکہ نہیں بناتا، کیا آپ کو ایسا اتفاق ہوا ہے کہ آپ نے کسی عام یا اجنبی جگہ نماز پڑھی ہو اور لوگوں نے تالیاں لگائی ہوں، فقرے کسے ہوں کہنے لگے نہیں یہ بات نہیں ہے، مگر ہمیں تو اس کا خیال کرنا چاہئے۔ ایک تو ہم پاکستانی یونہی بدنام ہو گئے ہیں۔ ہزاروں دیہاتی جو کبھی کراچی اور ڈھاکہ میں بھی نہیں رہتے تھے وہ اب لندن آگئے ہیں، اور قلیوں باورچیوں کا کام کرتے ہیں، تہذیب و اخلاق سے ناواقف ہیں وہ لوگ نماز پڑھا کرتے ہیں، آپ کو بھی لوگ یہی سمجھیں گے، عرض کیا، اور ان کے اس مفروضہ وہم سے ہم پر کیا مصیبت آ جائے گی؟ ابھی جملہ مکمل نہیں ہوا تھا کہ ہم دونوں جہاز سے اترنے کی تیاری کرنے لگے اور میں ان ناصح دوست کا نام بھی دریافت نہ کر سکا، (باقی)

بقیہ مجدد الف ثانیؒ

معمول رہا ہے کہ وہ خود کو بے مایہ سمجھتے اور کہتے ہیں لیکن مختلف طریقے سے شریعت کی اتباع کیلئے متوجہ کراتے ہیں۔ شیخ فرید جو حضرت خواجہؒ کے بعد حضرت مجددؒ کے زیر تربیت تھے اس قسم کی تلقین کے زیادہ اہل تھے۔ شیخ فرید کے نام حضرت مجددؒ کے ایک مکتوب کا مختصر اقتباس فاضل نے (صفحہ ۲۰۳) دیا ہے۔ ذرا اس مکتوب (۴۳۔ دفتر اول) کے اور اقتباسات بھی ملاحظہ ہوں: (باقی)

مسلسل

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا

ایک غیر مطبوعہ رسالہ

ڈاکٹر مصطفٰے خاں پی۔ ایچ ڈی۔ ڈی لٹ سندھ یونیورسٹی

اوپر کے اقتباس (ص ۲۰۷) کے سلسلے میں فاضل محترم لکھتے ہیں کہ "معلوم ہوتا ہے کہ جہانگیر آپ کا بڑا معتقد ہو گیا تھا۔ وہ رہائی کے تین سال بعد اپنی سالگرہ کے ذکر میں لکھتا ہے کہ "بدستور ہر سال خود را بہ طلا و اجناس وزن فرمودہ در وجہ مستحقان مقرر فرمودم از آں جملہ شیخ احمد سرہندی را دو ہزار روپیہ عنایت شد۔" پھر لکھتے ہیں کہ ان تین چار سالوں میں جہانگیر کو ترویج شریعت کا خاص خیال رہتا تھا اور اس کے دل میں مذہب کا بڑا جوش تھا۔ پھر حضرت مجددؒ کی ان خدمات پر پردہ ڈالنے کے لئے فرماتے ہیں "عجب نہیں کہ اس میں حضرتؒ کی تعلیمات کو بھی دخل ہو (یعنی دوسرے حضرات کی خدمات کا بھی دخل تھا)، پھر علاقہ راجوری (کشمیر) کے مسلمانوں کا حال (توزک جہانگیری سے لیکر) بیان کیا ہے کہ وہ لوگ ہندوؤں کی ستی کی طرح عورتوں کو شوہر کے ساتھ زندہ دفن کر دیتے تھے۔ لڑکیوں کا قتل بھی کر دیتے تھے۔ اور ہندوؤں کو اپنی لڑکیاں بھی دے دیتے تھے۔ جوالا مکھی کی پوجا بھی کرتے تھے۔ چنانچہ جہانگیر نے ان باتوں کو ختم کرایا پھر فتح کانگڑہ پر اذان، نماز، خطبہ، گائے کی قربانی وغیرہ شعائر اسلام کی ترویج کرائی گئی۔ اور وہ قلعہ جو پہلے کسی سے فتح نہ ہو سکا تھا اس کی فتح کے شکرانے میں قلعہ کے اندر مسجد کی تعمیر کا حکم دیا گیا۔ محترم نے اعتراف اس طرح کیا ہے کہ "یہ امر غیر اغلب نہیں کہ دیگر علمائے اسلام جو رکاب شاہی میں تھے ان میں حضرت مجددؒ بھی ہوں (ص ۲۳۱)"

پھر محترم نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے تذکرہ میں یہ بات غلط لکھی ہے کہ حضرت مجددؒ نے اکبری الحاد کو ختم کیا۔ بلکہ حضرت مجدد کے مکتوبات اس وقت لکھے گئے جب اکبر کے ساتھ اکبری بدعات ختم ہو چکی تھیں جہانگیر مذہبی امور میں اکبر کا ہم خیال نہ تھا اور یہ [illegible] (کس طرح)؟ تسلیم کرتے ہیں کہ جہانگیر نے تخت نشین ہونے سے پہلے اس امر کا وعدہ کیا تھا کہ شعائر اسلامی کی پابندی کرے گا (ص ۲۳۸) محترم نے یہ بھی لکھا ہے کہ شیخ فرید کو حضرت مجددؒ نے جو بار بار شریعت پر چلانے کے لئے مکتوبات لکھے تھے ان کے بغیر بھی شیخ فرید کو اپنے فرائض کا خیال تھا[۲۳۹]۔ فاضل محترم یہ بھی اعتراف کرتے ہیں کہ شریعت کی ترغیب کے لئے وہ مکتوبات لکھے گئے لیکن وہ یہ بھی کہنا چاہتے ہیں کہ حضرت مجددؒ نے خواہ مخواہ اور بلا ضرورت یہ سب لکھا۔ اس موقع پر فاضل محترم یہ بات ثابت کرتے کہ جہانگیر نے تخت نشین ہونے سے پہلے اس امر کا جو وعدہ کیا تھا وہ شعائر اسلام کی پابندی کرے گا (ص ۲۳۸) تو اس نے اس وعدہ کی پابندی کی۔ حالانکہ ایسا بالکل نہیں ہوا۔ جہانگیر آخر تک شراب پیتا رہا اور فاضل محترم نے خود بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ "مریدان شاہی بالخصوص درشنیوں کا تھوڑا بہت سلسلہ اکبر کے بعد بھی جاری رہا اور فی الحقیقت جلال ملوکیت کا ایک کرشمہ تھا (ص ۱۳۲)۔ اس کے علاوہ سجدۂ تعظیمی نہ کرنے پر "بغایت مغرور و خودپسند" کو قید کرنا کون سی دیانتداری کی خاطر کیا گیا تھا؟ پھر ہم ابھی پڑھ چکے ہیں کہ علاقہ راجوری (کشمیر) کے مسلمان کس قدر کافرانہ رسم و رواج کے پابند تھے اور حضرت مجددؒ کے اثرات سے کس طرح جہانگیر نے ان کی اصلاح کے لئے احکامات جاری کئے۔ فتح کانگڑہ پر شعائر اسلام کی ترویج کرائی گئی۔ یہ سب کام خواہ مخواہ کرائے گئے یا ان کی ضرورت محسوس ہونے پر ایسا کیا گیا۔ شیخ فرید کے نام حضرت مجددؒ کے بکثرت مکتوبات ہیں۔ ان کے متعلق فاضل محترم فرماتے ہیں کہ "واعظ و نصیحت آسان ہوتی ہے اور ان پر عمل پیرائی کہیں زیادہ مشکل (ص ۲۳۰)" بالکل صحیح فرمایا بلکہ یوں کہہ سکتے ہیں کہ آج کل کے امن و امان کے دور میں تنقیص کرنا آسان ہے بلکہ تحقیق کو بھی "مصلحت" پر قربان کرنا آسان تر ہے۔ لیکن ایک جابر سلطان کے اعیان مملکت کو ایسے خطوط بھی لکھے گئے تھے جن میں اس سلطان کے طریق کار پر بھی سخت تنقید تھی؟ کیا یہ کوئی آسان کام تھا؟ جہانگیر اگر حضرت مجددؒ کے کارناموں سے ناواقف تھا (ص ۲۳۶) اور اس ناواقفیت کی وجہ سے (بقول فاضل مصنف کے) انھیں قید کر دیا۔ تو یہ چیز خود اس حقیقت کے لئے حجت ہے کہ اس میں دینداری کہاں تک تھی اور وہ کہاں تک قدر کر سکتا تھا۔ پھر مکتوبات شریف کے متعلق یہ کہنا کہ وہ سفارش کے لئے لکھے تھے (ص ۲۳۹) اور جواب میں نہیں لکھے گئے (کوئی تو بات تھی کہ جواب نہ ملنے پر بھی بار بار لکھے گئے) کس قدر ناانصافی ہے؟ کیا یہ پانچ چھ سو مکتوبات اسلامی اور تبلیغی نہیں ہیں! کیا ان میں شریعت اور رسالت کی اتباع پر جگہ جگہ بحث نہیں ہے؟ کیا یہ بحث اس زمانے اور ماحول کا رد عمل نہیں ہے؟ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے رقعات (مثلاً ۵۲ و ۵۴، ۶۱ وغیرہ) سفارشی ہیں اور انھوں نے بھی خواجہ عبید اللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کی طرح امراء کو بیعت کر کے بادشاہی نظام کی اصلاح کو مد نظر رکھا، گویا ان کی تبلیغ عوام سے زیادہ خواص کے لئے تھی تاکہ "الناس علی دین ملوکہم" کے مصداق آسانی سے اصلاح ہو سکے۔

حضرت خواجہ کے رقعہ نمبر ۸۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے مشیخت ترک کر کے اپنے تمام مریدوں کو (سوائے چند کے) حضرت مجددؒ کے سپرد کر دیا تھا۔ شیخ فرید بھی اسی لئے حضرت مجددؒ کے زیر تربیت تھے اور اسی لئے ان کے نام خطوط ہیں تاکہ اعیان حکومت میں نمایاں حیثیت رکھنے کی وجہ سے وہ نظام سلطانی کی اصلاح میں آسانی سے ہاتھ بٹا سکیں۔ فاضل محترم نے شیخ فرید کے علاوہ خان جہاں کے نام مکتوبات کا ذکر کیا ہے کہ ان کو شرع مبین کی تابعداری اور دشمنان دین کی مخالفت (یعنی دشمنوں کی حرکتوں کے خلاف) تلقین کر کے لکھتے ہیں کہ "یہی بات جو آپ کر رہے ہیں اگر اس کو شریعت کی بجا آوری کے ساتھ جمع کریں تو انبیاء علیہم السلام کا سا کام کریں گے جس سے دین منور و معمور ہو جائے گا (یعنی ابھی ایسا نہیں ہوا ہے) ہم فقیر اگر سالوں تک اس عمل میں جان سے کوشش کریں تب بھی آپ جیسے بہادروں کی گرد تک نہیں پہونچ سکتے (ص ۲۳۷ حاشیہ)" حضرت مجددؒ کس قدر تواضع اور انکسار سے کام لیا ہے اور کس طرح ہمت افزائی فرمائی ہے؟ لیکن فاضل محترم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حضرت مجددؒ یہ کام نہیں کر سکتے (یعنی عمل پیرائی مشکل ہے) اس لئے وہ اعیان حکومت کو متوجہ کرا رہے تھے لیکن اعیان حکومت میں سے کسی نے بھی قید و بند کی سختیاں جھیلیں؟ دراصل اہل اللہ اور صوفیہ کا یہی

(بقیہ ص ۲۰ پر)

۱؎ فاضل محترم (ص ۲۰۸) لکھ چکے تھے کہ شیخ فرید اور دوسرے مسلمان امراء نے جہانگیر کو تخت نشین کرانے میں کوشش بھی کی تھی اور یہ [illegible] اسلام کا احترام کرے گا۔ لیکن یہ وعدہ [illegible] کے لئے شیخ فرید کو وہ مکتوبات بار بار لکھے گئے اور لکھنے کا حق یہی تھا کہ حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے بعد ان کی وصیت کے مطابق وہ لوگ حضرت مجددؒ کے زیر تربیت تھے۔

۱؎ مکتوبات ۲۳ (دفتر اول) جہانگیر کی تخت نشینی پر لکھا گیا پھر متعدد مکتوبات شیخ فرید اور دوسرے اعیان حکومت کو لکھے گئے۔ پھر بھی جہانگیر حضرت مجددؒ کے کارناموں سے ناواقف تھا۔ یعنی ان امراء کی ہمت نہ تھی کہ وہ دربار میں اسلام کی ترویج کرا سکیں۔ اسی لئے بار بار مکتوبات بھیجنے کی ضرورت تھی۔

نالۂ دل

مولانا محمد اسحاق شہید سندیلوی ندوی

قلم سجود میں مصروف جبہہ سائی ہے — کہ شاخ علم میں تازہ بہار آئی ہے
ستم ہے آہ مسلماں کے خوں کی ارزانی — غضب خدا کا جفا کار کی بن آئی ہے
نہ دل میں خوف خدا ہے نہ آنکھ میں ہے حیا — یہ اقتدار کی کیسی ترنگ آئی ہے
ڈرو ڈرو کہ خدا کے یہاں نہیں اندھیر — نہ دھوکہ کھاؤ کہ تم نے یہ ڈھیل پائی ہے
کیا ہے دیدۂ نرگس نے یہ بھی نظارہ — پیام لے کے خزاں کا بہار آئی ہے
نہیں مفر ہے کوئی انتقام یزداں سے — کہیں خدا سے بھی نمرودوں نے پیش پائی ہے
محض فریب ہے شاخ ستم کی سرسبزی — چمن کی لاش پہ رونے بہار آئی ہے
نہ کر غرور کہ انجام اس کا ذلت ہے — اُسے حق ہی سزاوار کبریائی ہے
کئے ہیں ظلم بہت ظالموں نے دنیا میں — خدا گواہ ہے سب نے سزا بھی پائی ہے
تماشہ قدرت حق کا زمیں نے دیکھا ہے — کہ فیل مست نے چیونٹی سے زک اٹھائی ہے
ہزار بار یہ چشم فلک نے دیکھا ہے — مآل تاجوراں کاسۂ گدائی ہے
یہ لاکھ بار نظارہ کیا ہے انجم نے — فلک نے خاک سلاطین کو پھنکائی ہے
کرو نہ ناز کہ سو بار برق قہر اِلٰہ — تمہارے خرمن شوکت پہ مسکرائی ہے
ڈرو نہ ہم سے کہ مجبور و ناتواں ہیں ہم — ڈرو خدا سے کہ جس کی یہ سب خدائی ہے
اِلٰہ ارض و سما ہم کدھر نکل جائیں — تو ہی ہے حافظ و ناصر تری دہائی ہے
تباہ ایسے ہو اور امت شہ ابرار — ترے حبیب کی اک عمر کی کمائی ہے
قصور ہے یہ ہمارا کہ دولت توحید — ترے حبیب کے صدقے میں ہم نے پائی ہے
یہاں وہاں ہے جبیں سائی گر طریق جہاں — ہمارا کیش ترے در پہ جبہہ سائی ہے

تو ہی ہے ناصر مظلوم تجھ سے ہے فریاد
ہماری سن لے کہ حد سے گذر گئی بیداد

نبیؐ کا صحابیؓ

ابوالاسرار رمزی اٹاوی

بیاباں کی تپتی زمیں سے گزرتا
چٹانوں کے سینے پہ چڑھتا اترتا
شہادت نہ ملنے پہ افسوس کرتا
چلا جا رہا ہے نبیؐ کا صحابیؓ

گلے میں حمائل مقدس صحیفہ
زباں پر ہو القاہر کا وظیفہ
سفر کر رہا ہے خدا کا خلیفہ
چلا جا رہا ہے نبیؐ کا صحابیؓ

ہمالہ کو دوش یقیں پہ اٹھائے
جہاں پاؤں رکھے زمیں ڈگمگائے
منازل کی دھن میں قدم کو بڑھائے
چلا جا رہا ہے نبیؐ کا صحابی

اگر ٹھہر جائے تو منزل صدا دے
اگر چل پڑے تو زمانہ دعا دے
زمیں پر قدم ہیں فلک پہ ارادے
چلا جا رہا ہے نبیؐ کا صحابیؓ

جبیں پہ پسینے کی موج آفتابی
لبوں پر تبسم گلابی گلابی
نظر انقلابی قدم انقلابی
چلا جا رہا ہے نبیؐ کا صحابیؓ

خطباتِ نبوی

تاجروں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب

(۲)

جبیب الرحمٰن ندوی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ خطبے حدیث کی متعدد کتابوں سے نقل کئے گئے ہیں۔ آپ ان پر نظر ثانی کریں اور دیکھیں، اسلامی نظام زندگی کی بنیاد ناجائز نفع اندوزی اور خود غرضی کے عیب سے کس قدر پاک ہے سودے بازی والی وہ اسپرٹ یہاں قطعاً نہیں جس کی قہرمانیت سے آج دنیا کا تین چوتھائی سے زیادہ حصہ بری طرح کراہ رہا ہے۔

یہ واضح رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات اس دور کے ہیں جبکہ دنیا میں تجارت کا میدان بہت محدود تھا، تاجر یا تو اطراف وجوانب کے بازاروں میں اشیائے تجارت لے جاتے اور فروخت کرتے یا متبادل اشیا لیکر اپنے وطن واپس آتے اور اسے اپنے مقامی بازاروں میں فروخت کرتے، تجارت کا صرف یہی سادہ سا طریقہ تھا جو اس وقت قریب قریب پوری دنیا میں رائج تھا۔ دور حاضر کی طرح نہ بڑی بڑی کمپنیاں تھیں نہ بنک نہ بڑے پیمانے پر نقل وحمل کے ذرائع کہ کسی چیز کی بھاری مقدار بیک وقت کسی مارکیٹ میں بھیجکر چھوٹے چھوٹے تاجروں کو متاثر کیا جا سکے، اس وقت تو یہ بات ذہن میں کبھی نہ آسکتی تھی کہ ایک شخص یا چند افراد کا تجارتی ادارہ ضروریات زندگی کو اس طرح قابو میں رکھ سکتا ہے کہ لاکھوں مربع میل میں پھیلے ہوئے انسانوں کی زندگی ان کے رحم وکرم پر منحصر ہو کر رہ جائے ـــ بنکوں اور بڑے بڑے تجارتی فرموں نے آج جو صورت حال پیدا کر رکھی ہے یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ سرمایہ دار جب چاہتے ہیں ضروریات زندگی کی اشیاء کو سمیٹ کر ملک میں مصنوعی قحط کی صورت پیدا کر دیتے ہیں اور من مانے طریقے پر وہ اس وقت انتہائی گراں قیمت پر ذخیرہ کی ہوئی چیزوں کی فروخت کرتے ہیں۔ جب ہر طرف ہاہاکار مچ جاتی ہے چنانچہ اسی ذہنیت کا یہ نتیجہ ہے کہ آج بقول شخصے دنیا ایک معاشی حیوان بن کر رہ گئی ہے اور کسی کو معاشی کشمکش سے اتنی فرصت بھی نہیں ملتی کہ وہ اپنی زندگی کے دوسرے اہم مسائل پر کماحقہ توجہ دے سکے۔

عہد اسلامی کی تجارت اور موجودہ دور کی تجارت میں بنیادی فرق یہی ہے کہ ایک کا مقصد ہے رفاہیت عام کی کفالت اور دوسرا ایک عذاب مستقل کی دوزخ ہے چاہے آپ جس پہلو سے موجودہ دور کی تجارت کا جائزہ لیں۔ یہی حقیقت واضح ہوگی کہ آج کی تجارت کا مقصد ہے زیادہ سے زیادہ نفع کمانا جس کے لئے نہ تو اخلاقی قیود ہیں اور نہ مذہبی اور سماجی پابندیاں اور اگر ہیں بھی تو صرف برائے نام۔ شاید دنیا میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پہلی آواز ہے کہ تجارت ضروریات زندگی کی تکمیل اور رفع حاجات کا ایک ذریعہ ہے اور بس بے ایمانی، بددیانتی اور بے راہ روی سے دور رہ کر ملک کے ہر باشندے کو ترقی کرنے اور پھلنے پھولنے کا موقع دینا سماجی اور معاشرتی زندگی کے لئے آسانیاں فراہم کرنا اگر یہ مقصد نظر کے سامنے نہیں تو تجارت ایک لعنت ہے۔

بلا شبہ اسلام نے تجارت کرنے اور نفع کمانے کی اجازت دی ہے اور انسان کے اس حق کو تسلیم کیا ہے کہ خدا کی زمین میں وہ اپنی طبیعت کے رجحان اور اپنی استعداد اور قابلیت کے مطابق اپنی روزی حاصل کرے لیکن یہ واضح رہے کہ وہ کسی انسان کو یہ حق نہیں دیتا کہ وہ اپنی روزی حاصل کرنے کے لئے سوسائٹی یا سماجی نظام کو بگاڑنے والا کوئی طریقہ اختیار کرے، اسلام ایسے تمام وسائل معیشت کو حرام قرار دیتا ہے جس میں ایک شخص کا فائدہ دوسرے لوگوں یا سوسائٹی کے عام افراد کے لئے نقصان رساں ہو چنانچہ یہی وجہ ہے کہ فریب کاری دھوکہ دہی اور ذخیرہ اندوزی کی اسلام میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں، یعنی تاجروں اور بیوپاریوں کو اسلامی قانون میں اس کی قطعی اجازت نہیں ہے کہ وہ اشیائے صرف کا اس لئے ذخیرہ کریں کہ نرخ انتہائی اونچا ہو جائے تو وہ زیادہ سے زیادہ نفع کمائیں اسلامی دستور کے مطابق بیوپاریوں اور ذخیرہ اندوزوں کے چنگل سے ضروریات زندگی کا سامان نکال کر بازار میں لایا جائے گا اور تاجروں کی نفع اندوزی والی بے جا ہوس کو سختی سے کچل دیا جائے گا۔ تفصیل احادیث اور فقہ کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔

افسوس نام نہاد اسلامی ممالک کے حکمراں بھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کرتے کہ اسلام کے اقتصادی اور تجارتی اصول میں کیا خوبیاں ہیں اور انھیں اپنا کر مسلمان کہاں سے کہاں پہونچ سکتے ہیں اور شاید ان سے زیادہ قصوروار ہم اور آپ ہیں جو سچائی اور ایمانداری کے کسی اصول کو اپنانے کے لئے تیار نہیں۔ یقین نہ ہو تو تجربے کے طور پر کوئی چھوٹا موٹا کاروبار کریں اور اس کا دائرہ صرف مسلمانوں تک محدود رکھیں فوراً معلوم ہو جائے گا کہ مسلمانوں کا کیا حال ہے اور وہ کاروباری دنیا میں بے ایمانی اور بددیانتی کی کس حد تک پرواہ کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو کذب بیانی سے منع فرمایا ہے، کتنے لوگ ہیں جنھیں عملی طور پر اس قول کی صداقت کا یقین ہے، اپنے خطبے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کو سب سے بڑا گناہ قرار دیا ہے، کتنے لوگ ہیں جو تجارت بھی کرتے ہیں اور سودی لین دین سے بھی دور رہتے ہیں۔ اسلام کے تجارتی اصول فقہ کی کتابوں میں پوری تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ ضرورت ہے کہ مسلمان نہ صرف ان اصولوں کو سمجھیں بلکہ انھیں اپنی زندگی کا عملی جزو بھی بنائیں تاکہ دنیا پر اسلامی اصولوں کی برتری واضح ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبے دراصل اصول اور قانون کی حیثیت رکھتے ہیں، مگر ان میں اس قدر اعتدال وتوازن ہے کہ ممکن نہیں کہ ایک تاجر انھیں اپنائے اور ہر طرح کی کامیابی سے ہمکنار نہ ہو۔

تین شعر!

اُڑائیں گرد کے مانند منزلیں میں نے
غرض رہی نہ کبھی راہ و راہبر سے مجھے
یہ مشتِ خاک پرے کہکشاں سے گذری ہے
خبر ملی ہے خدایانِ بحر و بر سے مجھے
کلاہِ عشق اسی بانکپن کے ساتھ رہی!
کہاں کہاں نہ گرایا گیا نظر سے مجھے!!

مجید فیض آبادی

ندوۃ العلماء کے نصاب تعلیم میں

قرآن، حدیث اور فقہ کا مقام!

اسحاق جلیس ندوی

تصنیف وتالیف، صحافت وخطابت اور اردو عربی ادب وانشاء میں ندوی فضلاء کے امتیاز اور شہرت کی بنا پر بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ندوہ میں ان ہی چیزوں پر زور دیا جاتا ہے اور دینی علوم (قرآن، حدیث، فقہ وغیرہ) کی طرف کماحقہ توجہ نہیں...... اس لاعلمی اور غلط فہمی کو رفع کرتے ہیں امید ہے کہ یہ مضمون مفید ثابت ہوگا ـــ گوکہ یہ موضوع مزید تفصیل کا محتاج ہے۔ مختلف ادوار کے نصاب تعلیم کا جائزہ، طلب ونظر میں وسعت اور ذوق مطالعہ وفہم سلیم پیدا کرنے میں نصاب تعلیم کا اہم کردار، نیز ندوۃ العلماء کے نصاب تعلیم کی خصوصیات،... غرض ان تمام گوشوں پر سیر حاصل تبصرے اور بحث کی ضرورت ہے، مگر پندرہ روزہ پرچہ کے صفحات کی تنگ دامانی اس میں مانع ہے لہٰذا سردست اسی پر اکتفا کر رہا ہوں۔ شاید اس اہم موضوع پر جلد ہی کوئی مختصر سی کتاب پیش کر سکوں

جلیس ندوی

ندوۃ العلماء کے بانی اراکین اور اس کے فضلاء کی نصاب تعلیم کے موضوع پر تحریروں کا سرسری جائزہ لینے کے بعد ان سب میں مشترک طور پر یہ فکر نظر آئے گی کہ "عربی مدارس کے نصاب تعلیم میں دینی علوم کو مرکزی اور اولین مقام حاصل ہونا چاہیے" ندوۃ العلماء نے آج سے اسّی سال قبل نصاب تعلیم میں اصلاح کی جو آواز بلند کی تھی اس کا اولین محرک یہی خیال تھا کہ علوم دینیہ کا جو مقام عربی مدارس کے نصاب تعلیم میں ہونا چاہیے وہ بدقسمتی سے حاصل نہیں، مدارس کے نصاب تعلیم میں ان "علوم نافعہ" کے بجائے معقولات کی ان کتابوں کی بھرمار ہے جن سے دینی علوم میں بصیرت، استعداد میں پختگی اور اسلام کی دعوت کو سمجھنے میں کوئی مدد نہیں ملتی ـــ نصاب تعلیم کی اس خامی کا ان بزرگوں کو بھی اعتراف تھا۔ جنھوں نے برسوں اس نصاب کو پڑھا اور پڑھایا ـــ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نصاب تعلیم میں غیر ضروری فنون اور ازکار رفتہ کتابوں کے مضر اثرات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"فلسفہ محض بے کار امر ہے اس سے کوئی نفع معتد بہ حاصل نہیں سوائے اس کے کہ دو چار سال ضائع ہوں اور آدمی خود ملغ، غنی دینیات سے ہو جائے، فہم کج اور کم فہم شرعیات سے ہو جائے اور کلمات کفریہ زبان سے نکال کر ظلمات فلاسفہ میں قلب کو کدورت ہو جائے اور کوئی فائدہ نہیں" ـــ (سوانح قاسمی ص ۲۹۲ جلد دوم)

ندوۃ العلماء کے بانیوں نے دینی مدارس کے نصاب تعلیم کی اس خامی کو محسوس کر کے اس کے خلاف روز اول ہی سے آواز بلند کی اور اپنے قائم کردہ دارالعلوم میں خصوصیت کے ساتھ دینی علوم پر زور دیا ـــ بانی ندوۃ العلماء مولانا محمد علی مونگیریؒ دینیات کی طرف توجہ دلاتے ہوئے اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

"دینیات کا بہت خیال رکھئے، نصاب میں عمدہ کتابیں ہوں۔ عقائد کا بیان عمدگی سے تعلیم کیا جائے.... .... قرآن مجید کی طرف زیادہ توجہ رہے، ایسا ضرور کیجئے کہ ابتدائی درجہ کا طالب علم تک قرآن مجید کے ترجمہ سے عاری نہ رہے۔" ـــ

دوسری جگہ مولانا نے انعامات کے لئے لکھا ہے کہ:-

"مختلف موضوعات پر طلبہ تقریر کریں اور کامیاب ہونے والوں کو انعامات دیئے جائیں۔ لیکن قرآن مجید حدیث اور فقہ کو ترجیح دی جائے اور اس کے لئے خاص انعام رکھا جائے" ـــ

ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ:-

"طلبہ کو سیرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ضرور یاد ہو"

نصاب تعلیم میں علوم دینیہ کے بجائے قدیم فلسفہ اور منطق کی غیر ضروری کتابوں کی کثرت اور مناظرانہ و مجادلانہ طریق درس پر تنقید فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"اس زمانہ میں حالت بدل گئی ہے وہ اعتراضات جو پہلے فلسفہ میں کئے گئے اب انھیں کوئی نہیں پوچھتا، اور نہ وہ فرقے اعتراضات کرنے والے باقی رہے، اب ان اعتراضات اور جوابات سیکھنے کی ضرورت نہ رہی، اب نیا عالم، نیا دانہ، نیا پانی ہے، جدید فلسفہ کی بنا پر اس زمانہ کے مخالفین اسلام نے نئے نئے قسم کے اعتراضات کئے ہیں جو پہلے نہ تھے۔ جن کا کافی طور سے جواب دینا قدیم فلسفہ کے جاننے سے نہیں ہو سکتا، اگرچہ کوئی کیسا ہی دعویٰ کرے۔"

ندوۃ العلماء کے قائم کردہ دارالعلوم کی موجودہ عمارت کی تعمیر کے موقع پر مارچ ۱۹۱۰ء کے "الندوہ" میں مولانا شبلی نعمانیؒ نے اس دارالعلوم کے مجوزہ پروگرام کا اعلان ان الفاظ میں کیا:-

"ایک ایسے مدرسۂ اعظم کا قیام جس میں تمام علوم دینیہ یعنی تفسیر، حدیث، فقہ اور اصول کی تعلیم ایسے کمال درجہ تک دی جاتی ہو کہ تحقیق کا مرتبہ حاصل ہو سکے،

جس میں اسلامی علوم کی تمام قدیم اور نادر وکمیاب کتابیں فراہم کی گئی ہوں؛

جس میں طالب علم کو تصنیف وتالیف کی تعلیم دی جاتی ہو۔ جس میں ایسے لوگ تیار کئے جاتے ہوں جو مخالفین مذہب کے اعتراضات کا جواب آجکل کے مذاق کے موافق دے سکیں۔

جس میں موجودہ حکومت کی زبان (انگریزی) بقدر ضرورت پڑھائی جاتی ہو ـــ

جس کی عمارت وسیع، پرفضا اور عظیم الشان ہو ـــ"

مولانا شبلی نعمانیؒ نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کا جو خاکہ قوم کے سامنے پیش کیا ہے اس میں سرفہرست علوم دینیہ یعنی تفسیر حدیث اور فقہ کی درجہ کمال تک تعلیم کے انتظام کا ذکر ہے۔

مولانا شبلیؒ اپنے ایک اور مقالہ میں قدیم نصاب تعلیم (درس نظامی) میں قرآن مجید کی طرف سے بے توجہی پر افسوس کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

"قدیم نصاب میں قرآن مجید کی تعلیم کا حصہ نہایت کم ہے۔ قرآن مجید کا متن تک درس میں نہیں، تفسیروں میں صرف دو تفسیریں درس میں داخل ہیں، ایک جلالین جس کے الفاظ اور قرآن مجید کے الفاظ عدد میں برابر ہیں اور دوسری بیضاوی جس کے صرف ڈھائی پارے پڑھائے جاتے ہیں جو کتاب کا بیسواں حصہ بھی نہیں۔"

گنجائش.. نہیں ورنہ اس ضمن میں مولانا عبدالحی صاحب سابق ناظم ندوۃ العلماء، مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانیؒ، مولانا سید سلیمان ندویؒ، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور ندوہ کے کئی دیگر فضلاء اور منتسبین کی تحریروں سے اقتباسات دیئے جا سکتے ہیں۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ ندوہ کے ماضی اور حال کے نصاب تعلیم نے اس مقصد کو پورا کیا یا نہیں؟ دارالعلوم کے یوم تاسیس سے آج تک کے نصاب تعلیم کا جائزہ لینے کے بعد یہ حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے

کہ ندوہ کے ہر دور کے نصاب میں دینی علوم کو اہم ترین و اولیں مقام دیا گیا اور ہمیشہ یہی "علوم نافعہ" مقصود بالذات رہے — ندوہ کے جدید نصاب کا جائزہ لیجئے تو اس میں متن قرآن مجید کا ترجمہ و مختصر و ضروری تفسیر کا آغاز درجۂ پنجم عربی ہی سے ہو جاتا ہے۔ درجۂ پنجم سے درجۂ ہشتم عربی تک قرآن مجید کی منتخب سورتیں داخل نصاب ہیں۔ ان سورتوں کے انتخاب میں طلباء کی عمر و استعداد اور درجہ کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے اس طرح چار سال میں طالب علم مکمل قرآن مجید کا ترجمہ مع تفسیر ختم کر لیتا ہے۔ اور اس میں اتنی استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ دو ہی سال میں تفسیر جلالین کا بلا واسطہ خود مطالعہ کر کے امتحان دیتا ہے — درجہ نہم میں تفسیر بیضاوی اور درجہ دہم میں زمخشری کی کشاف داخل نصاب ہے — پھر طرز تعلیم کی خصوصیت یہ ہے کہ طلباء استاد کی نشان دہی و رہنمائی سے یا بطور خود ان تفسیروں کے علاوہ بھی دیگر تفسیریں اور معاون کتابیں دیکھتے ہیں اور ان سے بخوبی استفادہ کر سکتے ہیں۔

حدیث کی تعلیم کا آغاز بھی درجۂ پنجم عربی سے امام نوویؒ کی مشہور کتاب "ریاض الصالحین" سے ہو جاتا ہے، عبادات معاملات، دعوت و تذکیر اور اسلامی اخلاق و معاشرت کے مفید مضامین پر مشتمل مستند احادیث کے اس منتخب مجموعہ کو پڑھ کر ایک طرف تو علم حدیث کا تعارف اور اس سے مناسبت پیدا ہو جاتی ہے اور دوسری جانب تعمیر سیرت میں یہ مجموعۂ احادیث زندگی بھر کار آمد اور رہنما ثابت ہوتا ہے۔ اس کے بعد درجۂ ششم عربی سے آخر تک مشکوٰۃ شریف، ترمذی، ابو داؤد، مسلم شریف، بخاری شریف، موطا امام مالک غرض صحاح ستہ مکمل داخل نصاب ہے اور احادیث کو عصر حاضر میں بہتر طریقے سے سمجھنے اور سمجھانے کی غرض سے اس موضوع پر بعض جدید کتابیں مطالعہ میں ہیں جن کا امتحان بھی ہوتا ہے — ایک خاص بات یہ کہ تمام کتب احادیث ایک یا دو سال میں پڑھانے کے بجائے (جس میں ابتدائی چند اسباق کے علاوہ عام طور پر سرسری عبارت خوانی ہوتی ہے) انھیں تدریج پانچ سال میں پورا کیا جاتا ہے۔ پھر حدیث کا طریقۂ درس ایسا ہوتا ہے کہ طالب علم حدیث حاصل کرتے ہوئے یہ محسوس کرتا ہے کہ اسلامی لٹریچر کا یہ وسیع اور گرانقدر ماخذ انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی کے ہر گوشہ میں رہنمائی کر سکتا ہے — حدیث کا وہ طریقۂ درس ندوہ میں مقبول نہیں کہ جس میں آمین بالجہر، رفع یدین، قرأت خلف الامام اور اسی قسم کے دیگر فقہی اختلاف پر تو ضرورت سے زیادہ گھنٹوں تقریر ہو اور جہمیہ، مرجیہ، قدریہ، خوارج اور معتزلہ جیسے گمراہ فرقوں کے ابطال پر تو ہفتوں تک بحث و تقریر ہو جن کا نام و نشان بھی نہیں اور اس کے برعکس آج کے دور میں احادیث

نبوی سے جو رہنمائی حاصل کی جا سکتی ہے اس کی مطلق نشان دہی نہ ہو۔ حتیٰ کہ اس کا احساس و شعور تک پڑھنے اور پڑھانے والے دونوں میں پیدا نہ ہو۔

ندوہ میں فقہ کی تعلیم درجۂ چہارم ہی سے شروع ہو جاتی ہے، اس سال نور الایضاح پڑھائی جاتی ہے، درجۂ پنجم میں قدوری درجۂ ششم میں شرح نقایہ از ملا علی قاری داخل نصاب ہے (یہ کتاب شرح وقایہ کا بہترین بدل ہے مولانا اعزاز علی صاحبؒ اس کتاب کی اکثر تعریف فرمایا کرتے تھے۔ موصوف نے اس پر حاشیہ بھی لکھا ہے) اس کے بعد فقہ کی مشہور کتاب ہدایہ اولین و آخرین مکمل داخل نصاب ہے۔ علم فقہ کی تاریخ اور فقہ کے چاروں مکاتیب فکر کو جدید نقطۂ نظر اور عصری اسلوب میں سمجھنے کے لئے بعض نئی عربی تصانیف مثلاً الاختلاف فی مذاہب الاربعہ، بدایۃ المجتہد اور تاریخ التشریع الاسلامی وغیرہ مطالعہ میں داخل ہیں، نیز اصول تفسیر، اصول حدیث اور اصول فقہ کی مستند و معروف کتابیں داخل نصاب ہیں۔

قرآن مجید، حدیث، فقہ اور تمام علوم میں تعلیم و تدریس کا جو طریقہ ندوہ میں ہے اس سے طلبا میں از خود مطالعہ کا ذوق پیدا ہو جاتا ہے، داخل نصاب کتابوں کے علاوہ اسی موضوع کی دیگر اہم اور مفید کتابوں سے واقفیت اور ان سے بلا واسطہ استفادہ کا رواج دوران تعلیم ہی میں شروع ہو جاتا ہے — ذوق مطالعہ، وسیع النظری اور علم کی روح اور شریعت کے مقصد تک رسائی میں یہ طریقۂ درس انتہائی مدد و معاون ثابت ہوتا ہے اور اس کے نتیجہ میں "اسلام ہر دور میں انسانیت کی رہنمائی کر سکتا ہے" یہ یقین پڑھنے والوں میں پیدا ہو جاتا ہے۔ ندوی طلباء اپنے دور طالب علمی ہی میں ان متعدد تفاسیر، شروح احادیث اور مختلف علوم و فنون کی کتابوں سے واقف ہو جاتے ہیں جن کا علم بعض مدارس کے فضلاء کو عرصہ تک نہیں ہوتا اور بیچارے ان کے نام تک سے ناواقف رہتے ہیں۔

اسرار شریعت، عقائد اور علم کلام میں بھی اہم اور مستند کتابیں داخل ہیں مثلاً حجۃ اللہ البالغہ، العقیدۃ الحسنہ، شرح فقہ اکبر، وغیرہ ان کے علاوہ مطالعہ میں بھی کئی کتابیں ہیں جن کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔

سیرت نبوی سے صحیح اور مستند واقفیت کے لئے سیرۃ النبی، ابن ہشام داخل درس ہے جو اپنے سادہ ادبی اسلوب، خالص عربی طرز تحریر اور سیرت کے موثر واقعات میں منفرد ہے اس کے علاوہ مکمل تاریخ اسلام بھی داخل درس ہے۔ تاریخ کا ضروری علم و مطالعہ مفسر، محدث اور فقیہہ کیلئے ناگزیر ہے ایک عالم دین کی اسلامی تاریخ سے ناواقفیت

کس قدر حیرت اور افسوس کی بات ہے۔ انگریزی، ہندی جغرافیہ تاریخ، سائنس، معاشیات، سیاسیات، منطق و فلسفہ کے معتد بہ کورس کے ساتھ دینیات کا اس قدر جامع اور طویل نصاب کسی بھی درسگاہ میں نہیں۔

علوم دینیہ قرآن، حدیث، فقہ میں ندوی فضلاء کے فہم و بصیرت کی شاہد وہ سینکڑوں کتابیں اور ہزاروں مضامین ہیں جو ان کے قلم سے نکلے، نیز ہند و بیرون ہند کے وہ سینکڑوں فضلاء ہیں جنھیں ان سے شرف تلمذ حاصل ہے۔

اردو و عربی زبان و ادب میں ندوی فضلاء کی شہرت اور مقبولیت کا یہ مطلب تو نہیں کہ علوم قرآن، حدیث اور فقہ میں ان کی بصیرت خام اور واقفیت معدوم ہے۔ عربی زبان و ادب کی تعلیم کا جو طرز ندوہ میں ہے اس میں بھی اس کا خاص لحاظ رکھا گیا ہے کہ اس کے ذریعے مطالعہ میں وسعت پیدا ہو اور ایسی استعداد پیدا ہو جائے کہ نصاب کے علاوہ کتابیں بھی بخوبی سمجھ میں آ جائیں؟ (کیونکہ نصاب اصلاً مزید مطالعہ کے لئے ایک ذریعہ ہوتا ہے۔ مقصود بالذات نہیں) — جب تک عربی زبان میں مہارت اور عربی زبان کے مختلف ادوار کے اسالیب بیان اور طرز تحریر سے واقفیت نہیں ہوگی، اس وقت تک اسلامی کتب خانہ سے کماحقہ استفادہ ممکن نہیں — بلکہ ذوق مطالعہ کا تمامتر انحصار زندہ نصاب تعلیم اور نمو پذیر طریقۂ درس پر ہے۔

مولانا شبلی نعمانیؒ اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:-

"قدیم نصاب میں ادب اور لٹریچر کا حصہ نہایت کم ہے، حالانکہ ادب کے بغیر تفسیر، حدیث، اصول فقہ کسی چیز میں کمال نہیں حاصل ہو سکتا" (مقالات شبلی)

دینی علوم ہی میں بصیرت اور مہارت کی غرض سے عربی زبان کی ایک زندہ زبان کی حیثیت سے تعلیم کو بدقسمتی اور کم فہمی کی بنا پر یہ سمجھا جانے لگا کہ مقصود صرف عربی زبان میں مہارت ہے اور بس ..... حالانکہ نہ بانیان ندوۃ العلماء کا یہ مقصد تھا اور نہ ہی اس کے موجودہ کارپردازوں کا یہ مقصد و رجحان ہے، ندوۃ العلماء کے موجودہ ناظم مولانا سید ابو الحسن علی صاحب ندوی (جو عربی کے صف اول کے مصنف، ادیب اور انشاء پرداز ہیں) نے بارہا اپنی تقریروں میں یہ اعلان فرمایا کہ:

"صرف عربی سیکھنا ہمارا مقصد نہیں یہ ہمارے لئے کوئی امتیاز، فخر اور سعادت کی بات نہیں، کیونکہ عربی زبان مشرق وسطی کے عیسائی اور یہودی ہم سے زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ ہمیں عربی زبان کو ایک ترقی پذیر زندہ زبان کی حیثیت سے اس لئے حاصل کرنا ضروری ہے کہ ہمارے تمام دینی لٹریچر اور اسلامیات کا اصل ماخذ عربی زبان میں ہے، قرآن مجید،

(بقیہ ص ۳ پر)

انصاف ... شکست ... اور کامرانی

سعید الرحمٰن الاعظمی

عباسی خلیفہ متوکل اپنے محل میں خواص اور ہم نشینوں کے ساتھ رونق افروز ہے، اس اثناء میں محل کا دربان یعقوب تو سرہ اندر داخل ہوتا ہے، اور خلیفہ اس سے مخاطب ہوتا ہے:

متوکل: کیا بات ہے یعقوب؟

یعقوب: حکم کے مطابق احمد بن ابی دؤاد خدمت عالیہ میں لایا گیا ہے۔

متوکل: اس رسوائے زمانہ کو اندر لاؤ،

یعقوب تعمیل حکم کے لئے ہمہ تن حاضر ہوں،

(یہ کہتا ہوا یعقوب باہر نکل گیا اور چند لمحے کے بعد احمد بن ابی دؤاد کے ساتھ اندر واپس آیا جس کو پولیس کے دو آدمی اٹھائے ہوئے اندر داخل ہو رہے تھے۔)

متوکل: اس کو زمین پر رکھ دو اور دیوار سے ٹیک لگا دو ..... حکم ملتے ہی ابن ابی دؤاد ایک گوشہ میں رکھ دیا گیا۔ وہ فالج کی وجہ سے حرکت سے معذور تھا۔

ابن ابی دؤاد السلام علیک یا امیر المومنین

متوکل: (رد کھے پن سے جواب دیکر مخاطب ہوتا ہے) ابن ابی دؤاد بتاؤ تم نے احمد بن حنبل کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔

ابن دؤاد: میرا خیال ہے کہ امیر المومنین اس واقعہ سے واقف ہیں۔

متوکل: کیا یہ بالکل صحیح ہے کہ جلادوں نے ان کو اتنا مارا کہ وہ بے ہوش ہو گئے۔

ابن دؤاد: جی ہاں صحیح ہے،

متوکل: کیا تم سمجھتے ہو کہ وہ اس سزا کے مستحق تھے، ان کا کیا جرم تھا بتاؤ،

ابن دؤاد: امیر المومنین کو معلوم ہے کہ انھوں نے قرآن کو مخلوق نہ کہنے سے انکار کر دیا ہے،

متوکل: کیا تمھیں یقین ہے کہ وہ دین کے معاملے میں کسی سازش اور بدنیتی کے مرتکب ہوئے ہیں،

ابن دؤاد نہیں، امیر المومنین، میرے خیال میں ان سے غلطی ہوئی ہے

متوکل: تم کو کیسے معلوم ہوا کہ ان سے غلطی ہوئی ہے، کیا تم احمد بن حنبل سے زیادہ دین اور سنت کا علم رکھتے ہو!

ابن دؤاد امیر المومنین میں تنہا اس معاملہ کا ذمہ دار نہیں ہوں۔ میں تو آپ کے والد بزرگوار امیر المومنین معتصم کے ساتھ تھا۔

متوکل: کیا معتصم احمد بن حنبل سے زیادہ دین و سنت کا علم رکھتے تھے؟

ابن دؤاد: لیکن مامون بھی اس مسئلہ میں معتصم کے ساتھ تھے۔

متوکل: لاحول ولا، مامون نے اگر فلسفۂ یونان سے کچھ واقفیت حاصل کر لی ہے تو کیا اس کی وجہ سے وہ احمد بن حنبل سے زیادہ کتاب و سنت کا عالم ہو جائیگا۔

ابن دؤاد: امیر المومنین حکومت کی پالیسی کا یہی تقاضا تھا۔

متوکل: کون سی حکومت تم مراد لے رہے ہو؟ ہماری حکومت یا ہمارے حریف علویین کی،

ابن دؤاد: نہیں نہیں، امیر المومنین آپ: آل عباس کی حکومت

متوکل: کیا تم کو معلوم نہیں ہے کہ مامون اس حکومت کا دشمن تھا، وہ حکومت پر قابض ہو کر علویوں کو اسے سونپ دینا چاہتا تھا!

ابن دؤاد: امیر المومنین آپ کو اچھی طرح معلوم ہے کہ اس سیاست میں میرا کوئی ہاتھ نہیں تھا۔

متوکل: میں اس وقت تم کو صرف اس بات پر سزا دوں گا کہ تم احمد بن حنبل پر مامون، معتصم اور واثق ان تینوں کے دور حکومت میں برابر ظلم کرتے رہے۔

ابن دؤاد: امیر المومنین، وہ (احمد بن حنبل) علویوں کی طرف مائل تھے، اور ان کی حکومت کے موید تھے،

متوکل: تم نے اس دعویٰ کے مطابق ان کے گھر کی تلاشی لی مگر تم کو علویوں میں سے کوئی بھی وہاں نہیں ملا،

ابن دؤاد: ہو سکتا ہے کہ انھوں نے خفیہ طور سے ان کو اپنے گھر سے باہر کر دیا ہو،

متوکل: تم جھوٹ بکتے ہو، تم مجرم ہو، خدا کی قسم میں تمھارا سارا مال و متاع ضبط کرا لوں گا، اور تمھارے پاس ایک چھ دام بھی نہیں چھوڑوں گا۔

ابن دؤاد: امیر المومنین رحم فرمایئے، کچھ میرے اہل و عیال کے لئے چھوڑ دیجئے۔ آپ نے اب تک میرے جتنے مال پر قبضہ کیا ہے وہ کافی ہے، میرے فالج زدہ جسم پر رحم کیجئے۔

متوکل: یہ تو اللہ کی طرف سے تمھاری سزا ہے، لیکن ابھی میری سزا باقی ہے،

ابن دؤاد: امیر المومنین، احمد بن حنبل کے معاملہ میں تنہا مجھ کو سزا دینا آپ کے انصاف سے بہت بعید ہے،

متوکل: تو کیا میں مامون، معتصم اور واثق (جو جرم میں تمھارے شریک ہیں) ہر ایک کی قبر کھود کر انھیں نکالوں تا کیا تو یہی چاہتا ہے، کمینے، نالائق،

ابن دؤاد: معاذ اللہ، امیر المومنین، میں محض آپ کی معافی چاہتا ہوں جس طرح ان حضرات کے لئے اللہ کی مغفرت و معافی کا امیدوار ہوں۔

محل کا دربان یعقوب اندر داخل ہوتا ہے۔

یعقوب: امیر المومنین! احمد بن حنبل پہونچ چکے ہیں۔

متوکل: خوش آمدید، اندر تشریف لائیں۔

یعقوب باہر نکل کر اپنے کام میں مشغول ہو جاتا ہے۔

متوکل: (ابن ابی دؤاد کی طرف اشارہ کر کے) کیا تم پسند کرو گے کہ میں احمد بن حنبل کو تمھارے معاملے میں حکم بناؤں، ان کے فیصلے پر تم راضی ہو،

ابن دؤاد امیر المومنین، آپ کی شفقت و مروت سے مجھے یہ امید نہیں ہے کہ آپ میرا معاملہ میرے حریف کے ہاتھ میں دیں گے؛

متوکل: کیا تم کو ان کے فیصلہ پر اطمینان نہیں ہے،

ابن دؤاد: امیر المومنین مجھے تنہا آپ کا فیصلہ منظور ہے،

متوکل: اچھا تو تم اپنی جگہ پر بیٹھے رہو اور بلا اجازت ایک لفظ نہ بولنا۔

(امام احمد بن حنبل اندر تشریف لاتے ہیں، خلیفہ اور تمام ہم نشیں تعظیماً کھڑے ہو جاتے ہیں اور احمد بن حنبل کو خلیفہ متوکل اپنے پہلو میں جگہ دیتا ہے)

متوکل: ابو عبد اللہ، آپ کی تشریف آوری ہمارے لئے خوشی و مسرت کا باعث ہے، آپ کی خدمت کے لئے ہم ہمہ تن حاضر ہیں۔

ابن حنبل: اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے، میں آپ کے محل میں محض تعمیل حکم کی غرض سے حاضر ہوا ہوں، فرمایئے کیا حکم ہے؟

متوکل: مجھے آپ سے ایک شکایت ہے، اسے کہنا چاہتا ہوں

ابن حنبل: فرمایئے، کیا شکایت ہے،

متوکل: مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ میری مجلس میں آنا پسند نہیں کرتے،

ابن حنبل: جی ہاں بات صحیح ہے، بلا ضرورت آپ کی مجلس میں آ کر اور رعیت کے کاموں میں خلل انداز ہونا میں پسند نہیں کرتا۔

متوکل: نہیں، بلکہ آپ بغداد سے سفر کر کے ہمارے پاس آنا پسند نہیں کرتے،

ابن حنبل: جی ہاں یہ بات بھی ہے اس لئے کہ سفر کی مشقت سے اس بڑھاپے میں ڈر لگتا ہے۔

متوکل: برا ہو ان لوگوں کا جنھوں نے مجھے یہ خبر پہنچائی کہ آپ مجھ سے ملنا پسند نہیں کرتے اور اس سے پیچھا چھڑانے کی کوشش میں رہتے ہیں۔

ابن حنبل: یہ خبر بالکل ویسی ہی ہے کہ میں نے اپنے گھر میں

آپ کے دشمنوں کو پناہ دی تھی۔

متوکل : ہاں ہاں، میں نے آپ کے گھر کی تلاشی لی تھی، اس کے لئے میں معافی چاہوں گا۔

ابن حنبل : میں نے پہلے ہی آپ کو معاف کر دیا ہے۔

متوکل : میں نے جو ہدیہ آپ کو بھیجا تھا اس کے متعلق معلوم ہوا کہ آپ نے اس کو اپنے لئے باعث عار سمجھا اور فقیروں کو تقسیم کر دیا۔

ابن حنبل : امیر المومنین، یہ فقیر مجھ سے زیادہ حاجت مند تھے۔ ان کی حاجت روائی کی غرض سے میں نے تقسیم کیا نہ کہ آپ کو خفا کرنے کے لئے۔

متوکل : لیکن مجھے اس سے بھی تکلیف پہونچی

ابن حنبل (مزاح کے لہجہ میں) امیر المومنین میں نے اپنے لڑکے کی ضروریات کے لئے جب کوئی مال نہیں چھوڑا تو اس کو خفا ہونے کا حق حاصل ہے۔ لیکن آپ کو یہ حق کیسے حاصل ہو سکتا ہے،

متوکل : (مسکراتے ہوئے) سچ فرمایا آپ نے، امید ہے کہ اب کسی نمام کی بات آپ کے متعلق میرے کانوں میں نہیں پڑے گی۔

ابن حنبل : اللہ تعالیٰ آپ کے عہد مسعود کو دراز کرے۔

متوکل : آپ نے جس طرح مجھے معاف کیا ہے کیا امید ہے کہ اسی طرح میرے والد معتصم کو بھی معاف کر دیں گے،

ابن حنبل : میں پہلے ہی ان کو معاف کر چکا ہوں،

متوکل : (خوش ہو کر) کیا واقعی ان کی طرف سے آپ کے دل میں کوئی شکایت نہیں باقی رہی۔

ابن حنبل : صرف وہی نہیں جس نے کبھی مجھ کو اذیت پہنچائی کسی کی طرف سے کوئی شکایت مجھے نہیں ہے، میں نے سب کو معاف کر دیا ہے۔

متوکل : حتیٰ کہ آپ نے اس ملعون کو بھی (ابن ابی دؤاد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) معاف کر دیا۔

ابن حنبل : یہ کون ہیں جن کی طرف .. آپ نے اشارہ کیا۔

متوکل : کیا آپ کو یاد نہیں، یہ آپ کا دشمن ابن ابی دؤاد ہے۔

ابن حنبل : امیر المومنین۔ وہ میرا دشمن نہیں ہے، میں نے اس کو بھی معاف کر دیا۔

(متوکل عقوب کو پکارتا ہے اور وہ دوڑ کر حاضر خدمت ہوتا ہے)

متوکل : اس رسوائے زمانہ ابن ابی دؤاد کو اس کے گھر پہونچا دو،

(پولیس کے دو آدمی ابن ابی دؤاد کو اٹھاتے ہیں مگر وہ بڑے الحاح کے ساتھ اپنی درخواست پیش کرتا ہے)

ابن ابی دؤاد : امیر المومنین، ابو عبد اللہ احمد بن حنبل کو میرے معاملہ میں حکم بنایئے، مجھے منظور ہے۔

متوکل : افسوس تم نے اس سے قبل میرے اس مشورہ کو نامنظور کر دیا، اس لئے اب بجز میرے کوئی اور تمہارا فیصلہ نہیں کر سکتا۔

ابن ابی دؤاد : آپ کے لطف و کرم کی قسم، اے امیر المومنین ابو عبد اللہ ہی کو حکم بنایئے،

(ابن ابی دؤاد کو دربار سے نکال دیا جاتا ہے اور اس کی درخواست کی کوئی سماعت نہیں ہوتی)

ابن حنبل : ابن ابی دؤاد کا کیا قصہ ہے،

متوکل : میں نے اس سے آپ کا انتقام لینے کے لئے بلوایا تھا لیکن جب آپ نے معاف کر دیا تو اسے واپس کر دیا گیا۔

ابن حنبل : اللہ تعالیٰ آپ کی سربلندی میں اضافہ فرمائیں بے شک اس کا قول سچ ہے (فمن عفا واصلح فاجرہ علی اللہ) جس نے معاف کر دیا اور اصلاح کی نیت کی تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔

متوکل : یہی تنہا وہ شخص ہے جس نے آپ کو عذاب میں مبتلا کرایا، اسی نے میرے والد، چچا اور بھائی کو اس پر آمادہ کیا۔

ابن حنبل : (دونوں ہاتھ اٹھا کر گڑگڑاتے ہوئے) اے میرے اللہ ابن ابی دؤاد کو معاف کر دے اور اس کی توبہ قبول کرے۔

متوکل : آپ مجرمین اور نافرمانوں کے لئے دعا کر رہے ہیں۔

ابن حنبل : (دعا جاری رکھتے ہوئے) اے میرے اللہ اگر تو امت محمدیہ کے نافرمانوں اور مجرمین کا فدیہ قبول کر سکتا ہو تو مجھے ان کے فدیہ میں قبول فرمالے۔

(حاضرین پر ایک گہرا تاثر طاری ہو جاتا ہے، ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھیگ جاتی ہیں اور تھوڑی دیر تک فضا میں ایک خاموشی چھا جاتی ہے)

متوکل : (آنسو آلود ہو کر) اے ابو عبد اللہ ہم کو آپ کی نصیحتوں اور آپ کے علم کی بڑی ضرورت ہے، کیا آپ ہمارے یہاں (سر من رأی) میں قیام کرنا پسند نہیں فرمائیں گے۔

ابن حنبل : امیر المومنین اگر آپ مجھے بغداد واپس جانے کی اجازت دیتے تو میں آپ کا بہت شکر گذار ہوتا،

متوکل ابو عبد اللہ، کیا میرے قرب سے آپ کو وحشت ہے یا آپ کی خدمت گذاری میں مجھ سے کوئی کوتاہی واقع ہوئی

ابن حنبل : دراصل میں یہ نہیں چاہتا کہ آپ میرے لئے اپنے والد معتصم سے بھی زیادہ سخت دل ثابت ہوں۔

متوکل : آپ ذرا اپنی مراد واضح فرما دیجئے میں نہیں سمجھ سکا،

ابن حنبل : مطلب یہ ہے کہ کل آپ کے والد نے مجھے دین کے معاملہ میں آزمائش میں ڈالا، اور آج آپ مجھے دنیا کے بارے میں آزمائش میں مبتلا کر رہے ہیں، بایں طور پر کہ مجھ کو اور میرے اہل و عیال کو آپ اپنے عطایا اور انعامات سے نوازنا چاہتے ہیں۔ پہلی آزمائش سے تو میں نجات پا گیا، لیکن مجھے ڈر ہے کہ کہیں اس دوسری آزمائش میں میں پھنس نہ جاؤں۔

متوکل : میں آپ کا مطلب سمجھ گیا، اب آپ ہی کی خواہش کے مطابق عمل ہوگا،

ابن حنبل : (خوش ہو کر) امیر المومنین آپ کو اللہ تعالیٰ عمر دراز عطا فرمائیں اور خیر کی توفیق بخشیں۔

متوکل : جانے سے پہلے آپ مجھے نصیحت فرما دیجئے، کوئی ایسی نصیحت جو زندگی بھر میرے کام آسکے،

ابن حنبل : اے اللہ کے بندے، وقت سفر قریب ہے لیکن منزل بہت دور ہے اور زاد سفر بہت تھوڑا ہے،

متوکل : (بے اختیار ہو کر ان کلمات کو زیر لب دہرانے لگا)

وقت سفر قریب ہے، لیکن منزل بہت دور ہے۔

اور زاد سفر بہت تھوڑا ہے۔

(بقیہ) قرآن مجید کی خدمت کا ایک نیا مبحث

طوق اور اطاقۃ: مشقت یا تکلیف کے ساتھ طاقت رکھنے یا برداشت کرنے کو کہتے ہیں۔ تو اب آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ جو لوگ جو روزہ رکھنے پر قادر تو ہیں لیکن اس میں انھیں مشقت اور تکلیف ہوتی ہے تو وہ اپنے روزہ کے بدلے فدیہ ادا کر دیں:

اسی مفہوم کی تائید میں شرح ابوداؤد میں اسی آیت کی تفسیر میں اطاقۃ کے معنی یہ لکھے ہوئے ہیں کہ وہ لوگ جو روزہ رکھنے پر مشقت و تکلیف کے ساتھ قادر ہوں، ان کو اجازت ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں بلکہ اسکے بدلہ میں فدیہ ادا کریں۔

یہ چند مثالیں ہیں جو ہم نے اس لئے لکھ دیں تاکہ قارئین کو اس کا اندازہ ہو جائے کہ صرف صیغہ کے معمولی تغیر و تبدل سے معنی کے اندر کتنا اہم تغیر واقع ہوتا ہے، اسی قسم کے بہت سے صیغہ قرآن شریف میں موجود ہیں جن کو یکجا اور مرتب کرنے کی ضرورت ہے۔

نئے پروگرام، نئی آب و تاب اور نئے گٹ اپ اور خوبصورت عربی ٹائپ پر دار العلوم ندوۃ العلماء سے شائع ہونے والا

پندرہ روزہ عربی اخبار

الرائد مہینہ میں دو بار پڑھئے !!

مضامین، خبریں، عالم اسلام کے حالات اور دوسری بہت سی مفید معلومات !!

نگراں: مولانا محمد رابع ندوی ادیب اول دار العلوم

چندہ سالانہ چار روپے ۵۰ نئے پیسے برائے ہند و پاک

(پرنٹر پبلشر محمد الحسنی نے تنویر پریس لکھنؤ میں چھپا کر دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء سے شائع کیا)

کامیابی اپنے اختیار میں

وحید الدین خاں

ایک عالم نفسیات کا قول ہے — "دنیا میں بیشتر انسان اپنے آپ کو صرف دس فیصدی استعمال کرتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم اپنے آپ کو پچاس فیصدی بھی استعمال کرو تو تم ترقی کی چوٹی پر نظر آؤ گے" ہندوستان کے مسلمان اگر صرف اسی ایک بات کو مضبوطی سے پکڑ لیں تو مجھے یقین ہے کہ آئندہ پچیس برس میں اس ملک کا نقشہ بدل سکتا ہے۔

انسان کو اللہ تعالیٰ نے غیر معمولی صلاحیتیں دی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا انسان اب تک ایسا پیدا نہیں ہوا جس نے ان تمام فطری امکانات کو آخری حد تک استعمال کر ڈالا ہو، جو خالق نے اس کے اندر ودیعت کر رکھی تھیں۔ ہر شخص جس کو آپ کسی حال میں دیکھ رہے ہیں وہ یقینی طور پر اس سے بہتر حالت تک پہنچنے کی استعداد اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ مگر انسان کی یہ کمزوری ہے کہ وہ اپنے آپ کو ضائع کرتا ہے۔ اپنے وقت اور اپنی صلاحیتوں سے پورا کام نہیں لیتا۔ وہ ایک امکانی فائدے کو حاصل کرنے میں صرف اس لئے ناکام رہتا ہے کہ اس کی سہل پسندی اسے محنت کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔

یہ صورت ہمارے ملک میں خاص طور پر اپنی انتہائی حد کو پہونچی ہوئی ہے۔ مثلاً تعلیم کے میدان کو لیجئے۔ بظاہر ملک کے لاکھوں نوجوان تعلیم حاصل کر رہے ہیں، مگر ان کی بہت بڑی اکثریت ایسی ہے جس کو علم اور تعلیم سے کوئی دلچسپی نہیں۔ کلاس کی رسمی حاضری کے سوا کبھی آپ ان کو کسی تعلیمی موضوع پر بات کرتے ہوئے نہیں پائیں گے۔ کہنے کو وہ علم کے طالب ہیں۔ مگر ان کا ذہن ہر وقت کھیل، سنیما اور تفریحات میں لگا رہتا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ طلبہ کی کل تعداد کی نسبت سے بہت قلیل تعداد ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جو اچھے نمبروں سے امتحانات میں کامیاب ہوں اور اعلیٰ ترقیوں کا جائز استحقاق ثابت کر سکیں — اس صورت حال کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ بظاہر لاکھوں طلبہ کے ہجوم کے باوجود تعلیم کا پورا میدان ایسے لوگوں کے لئے خالی پڑا ہوا ہے جو اپنے وقت اور اپنی صلاحیت کو پوری طرح علم حاصل کرنے میں لگائیں اور امتحانات میں اعلیٰ ترین نتائج حاصل کر کے دوسروں سے آگے بڑھ جائیں۔ مجھے ایسے مسلم نوجوانوں کی مثالیں معلوم ہیں جنھوں نے امتحانات میں اعلیٰ درجے کی کامیابی حاصل کی اور اس کے بعد ہر قسم کی ترقیاں اور مواقع ان کے قدموں کے نیچے تھے۔ کوئی تعصب اور مخالفت ان کی راہ میں حائل نہ ہو سکا۔

ملازمت کی دنیا کا حال بھی یہی ہے۔ ہر وہ ادارہ جسکو کارکنوں کی ضرورت ہے، اس کو یہ شکایت ہے کہ کام کے قابل آدمی نہیں ملتے۔ خواہ علمی نوعیت کا کام ہو یا عملی نوعیت کا — دہلی کے ایک مسلمان تاجر کے پاس ایک مسلم نوجوان کام تلاش کرتے ہوئے پہنچا۔ یہ نوجوان تاجر کا ہم وطن تھا۔ تاجر نے کہا کہ میں آپ کو ایک ایسی صورت بتاؤں جس سے آپ نہایت آسانی کے ساتھ کام حاصل کر سکتے ہیں۔ کیونکہ بے روزگاری کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ کام کی کمی نہیں بلکہ کرنے والوں کی کمی ہے۔ تاجر نے کہا آپ اس سڑک پر نکلئے، اور تمام دفاتر اور دکانیں جو اس کے دونوں طرف ہیں ان کو دیکھتے جایئے۔ اور پھر اس پوری بازار میں جو جگہ آپ کو مناسب نظر آئے، اس میں داخل ہو جایئے اور مالک سے کہئے کہ میں کام کرنا چاہتا ہوں آپ ایک مہینہ کے لئے بلا تنخواہ مجھ کو اپنے یہاں رکھ لیجئے — ایک مہینہ کے بعد اگر میں آپ کے کام کا ثابت ہوا تو تنخواہ مقرر کر کے رکھ لیجئے گا، ورنہ مجھے رخصت کر دیجئے گا، اور اگر وہ آپ کے چال چلن کی ضمانت مانگے تو میرا نام بتایئے میں آپ کی ضمانت لینے کے لئے تیار ہوں۔

اس کے بعد تاجر نے بتایا کہ وہ کیوں ایسا مشورہ دے رہا ہے۔ اس نے کہا دیکھئے ہر وہ شخص جس کا کوئی کاروبار یا کسی قسم کا ادارہ ہے، اس کو کارکنوں کی ضرورت ہے مگر آج نوے فیصدی کارکن ایسے ہیں جو کام چور ہیں جن کے اوپر اعتماد نہیں کیا جا سکتا جو حسب مرضی کام کر کے نہیں دیتے۔ اس طرح سارے بازار بلکہ سارے ملک میں ایک روزگاری خلا ہے۔ اب اگر آپ اپنی محنت اور دیانتداری سے اپنے کو اہل ثابت کر دیں تو کوئی .... آپ کو چھوڑنا پسند نہ کرےگا مسلم نوجوان نے اس مشورہ کو پکڑ لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے ہی تجربے میں اس کو کام مل گیا۔ اس کا تقرر اگرچہ ابتداءً بلا تنخواہ ہوا، مگر صرف دو ہفتے بعد اس کی تنخواہ مقرر ہو گئی اور چند مہینے بعد وہ ترقی کر کے ایک اچھی ملازمت میں رکھ لیا گیا۔

یہی حال کاروبار کا ہے۔ خود غرضی اور سطحیت نے کاروبار کی حالت اتنی خراب کر دی ہے کہ ہر شخص کی زبان پر اس کی شکایت ہے، آج بیشتر کاروباری، خواہ وہ دوکاندار ہوں یا صنعت کار، ان کی کوشش یہ نہیں ہے کہ وہ بہترین سامان فراہم کریں اور گاہک کو مطمئن کر کے اپنا کاروبار چلائیں اس کے بجائے وہ ملاوٹ، بدمعاملگی، وعدہ خلافی، ناپ تول کی کمی اور خراب سامان کی بنیاد پر اپنے کام کو فروغ دینا چاہتے ہیں۔ ایک مرتبہ میرا جانا ایک پریس میں ہوا جو کافی کامیابی کے ساتھ چل رہا تھا جبکہ اسی بازار میں ایک دوسرا پریس ناکام ہو گیا تھا اور اس کو فروخت کرنے کے لئے گاہک تلاش کئے جا رہے تھے۔ میں نے پریس کے مسلمان مالک سے اس کی کامیابی کی وجہ دریافت کی۔ اس نے کہا بظاہر اس کے سوا اور کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ پریس کی دنیا میں بدمعاملگی بے حد عام ہے اور میں نے ایک حد تک اپنے آپ کو اس سے بچانے کی کوشش کی ہے صرف ایک معمولی حد تک۔ مگر موجودہ حالات میں اتنی خوش معاملگی بھی لوگوں کو بہت معلوم ہوتی ہے اور وہ مجھ سے کام کرانا پسند کرتے ہیں۔ اس نے مزید کہا۔ اگر یہ اخلاق اور زیادہ اعلیٰ شکل میں دکھایا جائے تو کیا ہو

یہی حالت زندگی کے تمام شعبوں کی ہے۔ سطحیت، خود غرضی، بددیانتی اور نااہلی کے نمونوں سے سارا ملک بھرا ہوا ہے۔ اگر ہماری قوم کے نوجوان اس امکان کو اچھی طرح سمجھ لیں اور فطری طور پر ان کے اندر کام کرنے کی جو بے پناہ صلاحیت موجود ہے اس کو بروئے کار لائیں تو ہر طرف وہ خالی جگہوں کو پر کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ ہر شعبے کی ترقیاں اور کامیابیاں انکے قدموں کے نیچے ہوں گی۔ وہ بالکل اسی طرح آگے بڑھ جائیں گے جیسے پیچھے سے آتی ہوئی موٹر چشم زدن میں رکشے سے آگے بڑھ جاتی ہے۔ یاد رکھئے۔ اس زمانے کے عام انسان اخلاقی اور عملی اعتبار سے رکشے اور چھکڑے کی رفتار سے چل رہے ہیں اس لئے اگر کچھ لوگ موٹر کی رفتار سے چلنے لگیں، جس کی ہر شخص کے اندر بلاشبہ پیدائشی صلاحیت موجود ہے، تو وہ یقینی طور پر دوسروں سے آگے بڑھ سکتے ہیں۔

ہماری کامیابی کا راز باہر نہیں خود ہمارے اندر ہے اگر ہم میں سے ہر شخص اپنی زندگی کو منظم کرے، اپنے اوقات کو پوری طرح استعمال کرے، اپنے وسائل کو صرف ٹھوس ترقی کے کاموں میں لگائے اور اپنے حسب حال کام کا ایک میدان منتخب کر کے اپنی تمام ذہنی اور جسمانی قوتوں کے ساتھ اس میں لگ جائے تو بلاشبہ وہ دیکھے گا کہ یہ بھری ہوئی دنیا ہر طرف اس کو راستہ دینے کے لئے خالی ہے۔ یہاں تک کہ یہ خلا ہمارے لئے اس حد تک معاون ہو سکتا ہے کہ وہ ہم کو اس مقام تک پہنچا دے جب پیچھے رہنے والے آگے نظر آئیں اور جو لوگ آگے ہیں وہ پیچھے ہو جائیں۔ اس دنیا میں سب کچھ ممکن ہے۔ ضرورت صرف ان لوگوں کی ہے جو امکان سے فائدہ اٹھانے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

تعمیر حیات کے مستقل مضمون نگار مولانا حبیب الرحمٰن ندوی کا لڑکا بچہ ۱۰ ستمبر ۶۴ء کو ایک مختصر علالت کے بعد اللہ کو پیارا ہو گیا ادارہ تعمیر حیات موصوف کے اس غم میں برابر کا شریک ہے اور ان کے لئے صبر کی توفیق اور نعم البدل کے لئے دعا گو ہے۔

چومرگ

اُمید

تبسم برلب اوست

تنویر الحسن صدیقی ندوی

شمس الدین حبیب اللہ (جو کہ مرزا جان جاناںؒ کے نام سے ہر خاص و عام میں مشہور ہیں) جب مرض وفات میں مبتلا ہوئے تو روز بروز معبود حقیقی سے ملنے کے اشتیاق میں ترقی ہونے لگی اور اس کے ساتھ ساتھ وہ ہمہ وقت عبادت اور ذکر و اذکار میں مشغول رہنے لگے، فیوض و برکات کا سلسلہ مزید ترقی کر گیا، دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ چہرے پر ہمہ وقت ایک لذت طاری رہتی اور افادہ خلق میں بھی اضافہ ہوگیا،

ملا عبدالرزاق کا بیان ہے کہ ان کی عمر انتقال کے وقت ۸۰ سال کی تھی اور اعضاء بدن بہت ہی کمزور و ضعیف ہوگئے تھے اسی لئے وہ ان تمام انعامات اور احسانات کا اکثر شکر ادا کرتے تھے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے عطا کی تھیں لیکن ان تمام نعمتوں کے باوجود وہ شہادت کے شوق میں ہر وقت بے چین اور مضطرب رہتے۔ اور فرمایا کرتے کہ اگرچہ شہادت سے درجات بلند ہوتے ہیں اور یہ قرب الٰہی کا ایک ذریعہ ذریعہ ہے لیکن یہ ناکارہ اپنے ضعف اور ناتوانی کے سبب جہاد کی قدرت ہی نہیں رکھتا اور نہ ہی اسے اس وقت جہاد میسر ہوسکتا ہے کہ شاید اس سے شہادت نصیب ہوتی، لیکن پھر بھی شاید یہ تمنا اور جذبہ دل شہداء کی منزل تک پہنچادے پھر حیرت سے فرماتے کہ مجھے ان لوگوں پر بہت تعجب ہوتا ہے جو موت سے دور بھاگتے ہیں جبکہ موت ہی لقاء الٰہی کا ایک ذریعہ ہے، اور اسی کے ذریعہ سے تو حضور کی زیارت اور اولیائے کرام کی زیارت کا شرف حاصل ہوتا ہے، اپنے اعزا و اقارب سے ملاقاتیں ہوسکتی ہیں، میں تو اب موت کا انتظار اسی لئے کر رہا ہوں کہ ان تمام لوگوں کی زیارت کا شرف حاصل ہوسکے اور اپنے بچھڑے ہوئے اعزہ سے ملاقات کرسکوں، لیکن اس کے باوجود مجھے افسوس ہے کہ میں شہادت سے محروم ہوں اور شاید یہ مجھے نصیب نہ ہوں اسی انتظار میں خادم نے اطلاع دی کہ چند اشخاص آپ کی عیادت کے لئے آئے ہیں، فرمایا آنے دیا جائے، اندر داخل ہونے والے تین آدمی تھے جو صورت آشنا نہ تھے، یہ تینوں آپ کے قریب ہی جاکر بیٹھ گئے ان میں سے ایک نے دریافت کیا، آپ ہی مرزا جان جاناں ہیں؟ فرمایا ہاں، اس کے بعد متصلاً ان میں سے ایک شخص نے مرزا جان جاناںؒ پر کسی دھار دار چیز سے حملہ کیا اور اس کے بعد تینوں فرار ہوگئے، کمرہ سے ایک چیخ بلند ہوئی جس کو سن کر مریدین و خدام دوڑے ہوئے آئے اور یہ خونی منظر دیکھ کر سکتہ میں رہ گئے، حملہ آور کی تلاش میں اطراف و جوانب میں افراد دوڑائے گئے، لیکن ہر طرف سے ان کو ناکامی و نا امیدی کا سامنا کرنا پڑا اور حملہ آور کا کہیں پتہ نہ چل سکا، ادھر کچھ لوگ اطباء کو بلا کر لے آئے تھے، انھوں نے زخم پر فوراً پٹی وغیرہ باندھی تاکہ زخم مندمل ہوسکے اور چلے گئے۔

اس واقعہ کے بعد عیادت کرنے والوں کا ہجوم ہر وقت ان کو گھیرے رہتا، ایک دن کسی معتقد نے مودبانہ عرض کیا کہ اگر یہ معلوم ہوجائے کہ یہ بدبخت کون تھا تو میں اس کے ٹکڑے ٹکڑے کرکے ہی سکون و اطمینان کا سانس لوں گا، اس لئے اب میری وجہ سے کسی دوسرے کی جان لینا بیکار ہے، مجھے اگر میرے قاتل کا پتہ چل جائے تو میں اسے ضرور معاف کردوں گا، اس لئے میرے بعد تم لوگ بھی اسے معاف کردینا۔

اس مرض کے بعد آپ کے مرض میں روز بروز اضافہ ہی ہوتا رہا۔ قویٰ کمزور ہونے لگے۔ ضعف کا غلبہ ہوگیا، یہی کیفیت تین دن تک طاری رہی۔ تیسرے دن بعد نماز صبح فرمایا کہ میری اب تک ۱۱ نمازیں قضاء ہوچکی ہیں، تمام بدن خون آلود ہے اٹھنے کی طاقت نہیں ہے اس لئے اب میں صرف اشاروں سے ہی نماز ادا کرسکتا ہوں۔ اس کے بعد نمازیں پڑھنا شروع کردیں جس کا سلسلہ عصر تک جاری رہا۔ عصر کے بعد فرمایا کہ "اب کتنا دن باقی ہے۔ خادموں نے عرض کیا، صرف چار گھڑی" فرمایا تو ابھی مغرب کی نماز بہت دور ہے، انشاء اللہ مغرب اپنے پروردگار کے روبرو پڑھوں گا، اس کے چند لمحوں کے بعد ہی ملک الموت نے ان کی روح قبض کرلی اور وہ اپنے معبود سے جاملے۔

(سوانح عمری حضرت مرزا جان جاناں شہیدؒ ص ۱۰۰، ۱۰۱)

(۲)

معتقدین میں خوشی کی لہر دوڑ گئی کہ ابو الحسن خیر نساج پر جو غشی طاری ہوگئی تھی وہ دور ہوگئی ہے اور اب وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ لیکن عوام میں انکے اس عمل سے اضطراب طاری ہوگیا جو انھوں نے ہوش میں آنے کے بعد کیا، کیونکہ ہوش میں آتے ہی ان کا پہلا جملہ یہ تھا کہ کمرہ کے ایک گوشہ کیطرف اشارہ کرکے فرمایا ٹھہر جا۔ کیونکہ تو بھی مامور ہے اور میں بھی مامور ہوں، اس لئے تو مجھے اتنی مہلت دے کہ میں اس کو پورا کروں جسکا میں مامور ہوں پھر تو بھی اپنا فرض پورا کرے اسکے بعد پانی منگوایا اور وضو فرمایا، پھر نماز کے لئے کھڑے ہوگئے اس وقت وہ نماز ہی پڑھ رہے تھے اور معتقدین بے چینی و پریشانی میں مبتلا تھے۔ شدید انتظار کے بعد نماز ختم کی لیکن نماز ختم کرنے کے بعد ہی عوام میں پھر اضطراب کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اس لئے کہ اب وہ کلمۂ شہادت پڑھتے ہوئے لیٹ چکے تھے اور اس کا سلسلہ جاری تھا۔ چند لمحوں کے بعد آواز ہلکی پڑ گئی اور پھر خاموش ہوتے ہی اپنے معبود حقیقی سے جاملے

(وفیات الاعیان ج ۳ ص ۲۴)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تازہ ترین تصنیف

مسلم ممالک میں

اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش!

جو

ہر لائبریری کی زینت اور ہر تعلیم یافتہ نوجوان کے ہاتھ میں ہونی چاہئے۔

موجودہ عالم اسلام کا جیتا جاگتا مرقع، جہاں مغربیت کا تیز دھارا بہہ رہا ہے اور دینی و اخلاقی قدریں خس و خاشاک کی طرح پوری طرح اسکے زد میں آچکی ہیں، جہاں برسر اقتدار اور اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ مغربی افکار و اقدار کا حلقہ بگوش اور داعی ہے۔

کمال اتاترک سے جمال عبدالناصر تک اس کشمکش کی مکمل تصویر

کمال اتاترک پر اس کتاب میں جو مواد موجود ہے وہ ایک پورے کتب خانہ کا خلاصہ اور گہرے مطالعہ کا نتیجہ ہے اور اس کتاب کا قیمتی حصہ ہے، اعداد و شمار اور حقائق و واقعات کی زبان میں نیز حقیقت پسندی اور توازن و اعتدال کے ساتھ حالات کا تجزیہ، اور اس "راہ اعتدال" کی نشاندہی جسکے فقدان نے عالم اسلام کو لادینی تحریکوں کی آماجگاہ اور مغربی طاقتوں کی چراگاہ بنا دیا ہے۔

نظر افروز سرورق کے ساتھ آفسٹ پر طبع ہوئی ہے۔

قیمت -/۵ روپے

ناشر مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ

مجلس مشاورت

مولانا محمد اویس ندوی شیخ التفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء

مولانا محمد اسحاق ندوی، استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء

مولانا ابوالعرفان ندوی، قائمقام مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء

مولانا معین اللہ ندوی، ناظر شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء

مولانا محمد رابع ندوی، ادیب اوّل دارالعلوم ندوۃ العلماء

سالانہ ۵ روپے ششماہی ۳ روپے | فی کاپی ۵۰ نئے پیسے | [illegible]

ترسیل زر و انتظامی امور کے لئے پتہ

منیجر "تعمیر حیات" شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مضامین وغیرہ کے لئے خط و کتابت اس پتہ پر کی جائے

اسسٹنٹ ایڈیٹر "تعمیر حیات" شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

قابلِ توجہ

تعمیر حیات کی قیمت وقت سے بہت کم رکھی گئی ہے تاکہ زیادہ سے زیادہ حضرات مستفید ہوسکیں،

اسی لئے

اہل استطاعت حضرات سے پُر زور گذارش ہے کہ حوصلہ مندانہ عطیات عطا فرماکر دینی لٹریچر کی نشر و اشاعت اور اس کی اعانت میں حصہ لیں!

معاونین خصوصی سے —— 200-00

معاونین سے —— 100-00 / 50-00

اعزازی خریداران سے —— 25-00

پاکستان میں چندہ جمع کرنیکا پتہ

مولانا حکیم نصیر الدین صاحب

نظامی ندوی فرئیر روڈ کراچی

(مغربی پاکستان)

تاریخ دعوت و عزیمت حصہ سوم

از — مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

● سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء

● حضرت مخدوم شیخ شرف الدین یحییٰ منیری

● سوانح حیات ● معمولات و کمالات ● تجدیدی و اصلاحی کارنامے

● خلفاء و منتسبین و مسترشدین کا تذکرہ و تعارف،

ابتدا میں ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کے بانی حضرت خواجہ معین الدین چشتی اور ان کے جانشینوں کا تذکرہ!

قیمت: مجلد مع گرد پوش چھ روپے

غیر مجلد پانچ روپے

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ

سیرت حضرت مولانا محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ

از: سید محمد الحسنی، مدیر "البعث الاسلامی" و "تعمیر حیات"

پیش نظر کتاب میں مولانا سید محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ بانی ندوۃ العلماء کی سیرت اور انکی شخصیت کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے اور ندوۃ العلماء جیسی تاریخی تحریک کا قیام، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا شاندار دور نظامت، سلوک و تربیت اور عمومی بیعت و اصلاح کے ذکر کے ساتھ ساتھ رد عیسائیت، بہار میں فتنۂ قادیانیت کے استیصال پر کافی روشنی ڈالی گئی ہے اور اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ مولانا کی سیرت کے ساتھ ندوۃ العلماء کی مختصر تاریخ بھی نظروں کے سامنے آجائے، کتاب مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کے مقدمہ سے مزین ہے!